© rasailojarаid.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فکر ونظر

'حدود قوانین اور حکومتی ترامیم' قانون وشرع کی نظر میں

حدود قوانین کے حوالے سے پاکستان کے ایک بڑے ابلاغی گروپ کی طرف سے شروع کی گئی مہم بڑی تیزی سے اپنے منطقی انجام کی طرف بڑھ رہی ہے۔ تین ماہ سے اس گروپ کے ذرائع ابلاغ لگاتار حکومت کو اس امر کی یاددہانی کروا رہے ہیں بلکہ دوسرے لفظوں میں اس پر دباؤ بڑھاتے جارہے ہیں کہ ''پارلیمنٹ آخر کب سوچے گی؟''

اس دوران اس مہم میں بروئے کار لائے جانے والے ابلاغی ہتھکنڈوں، غلط ترجیحات، مباحثوں و مکالموں میں پیش کی جانے والی یکطرفہ معلومات اور جانبدارانہ پروپیگنڈے کے بارے میں بیسیوں مضامین قومی پریس اور رسائل وجرائد میں شائع ہوئے ہیں لیکن اس کے باوجود حدود آرڈیننس کی منسوخی کا یہ جنون تاحال برقرار ہے!!

مبارکباد کے مستحق ہیں اسلامی نظریاتی کونسل کے وہ اراکین جنہوں نے اس پروپیگنڈے اور سرکاری دباؤ کو خاطر میں نہ لاکر حدود قوانین میں متفقہ ترامیم کا راستہ مسدود کردیا، اور خراجِ تحسین کے مستحق ہیں وہ فاضل اراکین جنہوں نے ایک معتبر اور ثقہ اسلامی ادارے کے وقار کو برقرار رکھنے کے لئے اپنی رکنیت سے استعفیٰ تو دے دیا لیکن حکومت کو اس ادارے کا وقار مجروح کرنے کی اجازت نہ دی۔ اس اختلافِ رائے کا نتیجہ یہ نکلا کہ کونسل کا اجلاس ستمبر تک ملتوی کردیا گیا۔ لیکن دوسری طرف سریر اقتدار پر قابض حکمرانوں کا اصرار اور شوقِ جنوں ہے کہ بڑھتا ہی جاتا ہے۔ اُنہوں نے ایک طرف قتل، ڈکیتی، منشیات کے ماسوا تمام ملزم عورتوں کو جیلوں سے رہائی☆ دینے کا مژدۂ جانفزا بھی سنایا اور ساتھ ہی اسلامی نظریاتی کونسل کو اس ارشادِ

☆ اخبارات کے مطابق عورتوں کی رہائی کے اس صدارتی آرڈیننس کو شعیب اورکزئی نے سپریم کورٹ میں چیلنج کردیا ہے جبکہ مجلس عمل نے اسے پارلیمنٹ کے اختیارات پر ڈاکہ قرار دیا ہے لیکن اس کے باوجود مجرم خواتین کی رہائی کا عمل جاری ہے۔

www.KitaboSunnat.com

عالیہ سے بھی نوازا کہ جلد از جلد اتفاقِ رائے پیدا کیا جائے۔ ملک کے معتبر اداروں کے ساتھ مذاق اور حدود اللہ میں دخل اندازی کی اس سے بڑی کوشش اور کیا ہوسکتی ہے؟

حکومتِ وقت کے تیور بتاتے ہیں کہ اُنہیں موجودہ سیاسی کشمکش میں دینی تنظیموں اور عوامی وسیاسی جماعتوں سے تو اپنی حمایت کی اُمید نہیں لہٰذا اپنے اقتدار کو مزید طول بخشنے اور اپنی سابقہ روایات کے مطابق ایک بار پھر مغرب نواز طبقہ کی کلی حمایت پانے کے لئے وہ حدود آرڈیننس کو قربانی کی بھینٹ چڑھانا چاہتے ہیں۔ ایسے ہی امریکہ ویورپ کی ناراض حکومتوں کو بھی ان اسلام مخالف اقدامات کے ذریعے دوبارہ اپنی حمایت کے لئے آمادہ کرنے کی سعی ٔ نامراد کی جارہی ہے۔ اس مقصد کے لئے حکومت نے ۱۴/اگست کو بعض 'خوش آئند' تبدیلیوں کے اعلان کی بھی نوید سنائی ہے۔

حدود قوانین کے خلاف موجودہ مہم کے تیور آغاز میں تو ایسے لگتے تھے کہ اس بار اِن قوانین کو منسوخ کرکے ہی دم لیا جائے گا، لیکن اسلامیانِ پاکستان کا اسلام سے محبت کا جذبہ ابھی اتنا سرد نہیں ہوا، اس لئے سردست یہی نظر آتا ہے کہ ان میں قانونِ توہین رسالتؐ کی طرح ایسی ترامیم بروئے کار لائی جائیں گی کہ ان کا نام تو برقرار رہے لیکن ان کا جوہر ختم ہوکر رہ جائے۔ انہی دنوں اخبارات میں قومی اسمبلی کی قائمہ کمیٹی برائے ترقی خواتین کی چیئرپرسن مہناز رفیع کا یہ بیان شائع ہوا ہے کہ

''حدود قوانین میں ترامیم کی جارہی ہیں جس میں ① زنا بالرضا اور زنا بالجبر کی سزاؤں میں تفریق کی گئی ہے۔ ترامیم کے مطابق زنا بالجبر کی سزا سزائے موت یا ۲۵ سال قید اور جرمانہ ہوگی، جبکہ زنا بالرضا کی سزا تعزیراتِ پاکستان کے تحت دی جائے گی۔ ② ۴ گواہوں کے لئے مرد گواہ کی شرط ختم کرتے ہوئے اب مرد کے ساتھ عورت کی گواہی کو بھی تسلیم کیا جائے گا۔ ③ 'موجودہ' قانون کے تحت درخواست سیشن کورٹ کے سامنے پیش کی جائے گی، اس کے بعد ۴ مرد وخواتین گواہوں کی شہادت کے بعد ہی مقدمہ درج کیا جائے گا۔ ④ حدود قوانین میں بالغ لڑکی پر مقدمہ بنادیا جاتا تھا، جبکہ لڑکے کے لئے کم از کم ۱۸ سال کی عمر متعین کی گئی تھی جبکہ اس عمر میں ذہنی بلوغت نہیں ہوپاتی چنانچہ 'موجودہ' قانون میں لڑکے اور لڑکی دونوں کے لئے عمر کا تعین ۱۸ سال کردیا گیا ہے۔ یہ ترامیم خواتین کے حقوق اور فلاح وبہبود کو مدنظر رکھتے

ہوئے کی جائیں گی۔'' (روزنامہ 'نوائے وقت'؛ ۲؍اگست ۲۰۰۶ء، صفحہ آخر)

حکومت کی طرف سے تجویز کی جانے والی ان ترامیم کو 'تحفظِ خواتین بل ۲۰۰۶ء' کا نام دیا گیا ہے۔ یوں تو ان ترامیم کی خبریں اخبارات میں کئی دنوں سے شائع ہورہی ہیں لیکن تاحال اصل یا مستند مسودۂ قانون اسمبلی میں پیش نہیں کیا گیا، البتہ ۳؍اگست کے اخبارات کے مطابق وفاقی کابینہ نے وزیراعظم کی سربراہی میں اس بل کی اُصولی منظوری دے دی ہے اور ہفتہ بھر میں اس کو قومی اسمبلی میں بھی پیش کردیا جائے گا۔ ذرائع کے مطابق حکومت نے اس سلسلے میں اپوزیشن رہنماؤں سے ملاقاتوں کے ذریعے اتفاقِ رائے پیدا کرنے کی کوششیں بھی شروع کردی ہیں۔ وفاقی کابینہ کے منظورکردہ مسودۂ قانون کی مختصراً تفصیلات یہ ہیں کہ

''① زنا بالجبر کے جرم کو حدود آرڈیننس سے نکال کر تعزیراتِ پاکستان کا حصہ بنا دیا گیا ہے اور اس کے لئے موت اور عمرقید کی سزائیں مقرر کی گئی ہیں۔ ② زنا بالجبر میں چار گواہوں کی شرط کا خاتمہ اور زنا بالرضا میں چار مرد گواہوں کی بجائے محض چار بالغ افراد کی گواہی کو کافی قرار دیا گیا ہے۔ ③ پولیس کے پاس ایف آئی آر درج کرانے کی بجائے سیشن کورٹ کے پاس زنا کی شکایت درج ہوگی جس میں چار گواہ اور شکایت کنندہ کے بیانات موقع پر ہی درج ہوں گے۔ ④ مالی معاملات میں ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی کی بجائے ایک مرد اور ایک عورت کی گواہی یا عدالت کی مطلوبہ گواہی کافی قرار دی گئی ہے۔'' (روزنامہ 'اُمت' کراچی: ۴؍اگست)

حدود قوانین پر بحث ومباحثہ کا آغاز اس بہانہ کے ساتھ کیا گیا تھا کہ ''حدود اللہ پر کوئی بحث نہیں لیکن حدود آرڈیننس خدائی نہیں۔'' جبکہ مذکورہ بالا ترامیم کا سرسری مطالعہ ہی اس امر کی نشاندہی کے لئے کافی ہے کہ نئے مسودۂ قانون میں حدود آرڈیننس کے نام پر حدود اللہ میں ہی ترمیم کی جسارت کی گئی ہے جس کی تفصیلات آگے آرہی ہیں۔

قرآنِ کریم میں حدود اللہ کے بارے میں مسلمانوں کو پہلے ہی تنبیہ کی جاچکی ہے کہ

﴿تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا﴾ (سورۃ البقرۃ:۱۸۷)

''یہ اللہ کی حدیں ہیں، ان کے (ارتکاب کے) قریب بھی مت جاؤ۔''

﴿وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ﴾ (سورۃ الطّلاق:۲)

''اور جو کوئی اللہ کی حدوں سے تجاوز کرے گا تو بلاشبہ اس نے اپنے آپ پر ظلم کیا۔''

www.KitaboSunnat.com

© rasailojaraid.com

حدود قوانین کیا خواتین کے خلاف ہیں؟

حقوقِ نسواں اور مساواتِ مردوزَن کا نعرہ ایسا دل فریب ہے کہ اکثر مذموم مقاصد اس کے پس پردہ ہی پورے کیے جاتے ہیں۔ اب بھی حدود قوانین میں ترامیم 'خواتین سے ظلم وزیادتی اور امتیاز کے خاتمے' کے نام پر لائی جارہی ہیں۔ یاد رہے کہ حدود قوانین کے خلاف نمائندہ لٹریچر بھی خواتین حقوق پر کام کرنے والی این جی اوز 'عورت فاؤنڈیشن' وغیرہ نے ہی شائع کیا ہے مثلاً جسٹس ڈاکٹر جاوید اقبال کا کتابچہ 'زنا آرڈیننس کا تنقیدی جائزہ'، ڈاکٹر طفیل ہاشمی کی کتاب 'حدود آرڈیننس؛ کتاب وسنت کی روشنی میں' اور ڈاکٹر محمد فاروق خاں کی کتاب 'حدود، حدود قوانین اور خواتین' وغیرہ

ان ترامیم پر تبصرہ سے قبل اس آرڈیننس پر بنیادی اعتراض کا جائزہ لینا مناسب ہوگا کہ

''حدود قوانین عورتوں کے خلاف امتیازی ہیں، ان کا نشانہ زیادہ تر خواتین بنتی ہیں اور ۸۰ سے ۹۰ فیصد تک خواتین اسی بنا پر جیلوں میں قید ہیں۔'' (قومی کمیشن برائے خواتین)

اس دعویٰ کی حیثیت پروپیگنڈہ سے زیادہ نہیں اور زمینی حقائق سے اس کی تائید نہیں ہوتی بلکہ یہ پاکستانی معاشرے پر ایک بڑا الزام ہے جس کا مطلب ہے کہ یہاں زنا کے جرائم بہت بڑی تعداد میں ہوتے ہیں جبکہ واقعاتی صورتحال یہ ہے کہ پاکستان کی چند بڑی جیلوں کے جائزہ کے بعد وہاں حدود کی ملزم خواتین قیدیوں کی تعداد ۳۱ فیصد سے زیادہ نہیں، جولائی ۲۰۰۳ء کے ایک جائزے میں صوبہ سرحد کی ۹ جیلوں میں حدود مقدمات میں ۳۲ فیصد خواتین قید تھیں۔ (سروے: ویمن ایڈ ٹرسٹ، کتابچہ 'حد زنا آرڈیننس؛ اعتراضات کی حقیقت': ص ۳۹)

◉ ایک امریکی سکالر چارلس کینیڈی نے ۵ سال میں پاکستان میں حدود کے مقدمات کا ایک جائزہ لے کر اپنی تحقیق کا یہ نتیجہ پیش کیا کہ ۱۹۸۰ء تا ۱۹۸۴ء کے پانچ برسوں میں ڈسٹرکٹ کورٹس میں زنا بالرضا میں ۱۴۵/ مردوں اور ۱۴۴/ عورتوں کو سزا سنائی گئی جن میں سے ۷۱ مردوں اور ۳۰ خواتین کی سزا وفاقی شرعی عدالت نے بحال رکھی۔ ایسے ہی زنا بالجبر کے کیس میں انہی سالوں میں ڈسٹرکٹ کورٹ نے ۱۶۳ مردوں اور ۲ عورتوں کو سزا سنائی جن میں سے وفاقی شرعی عدالت نے محض ۵۹ مردوں کی سزا بحال رکھی اور ان دو عورتوں کو بھی بری کردیا۔ ('پاکستان میں خواتین کی صورتحال' از چارلس کینیڈی: ص ۷۴، IPS)

www.KitaboSunnat.com

© rasailojaraid.com

◉ جسٹس تقی عثمانی جنہوں نے ۱۷،۱۸ برس حدود آرڈیننس وغیرہ کی سماعت کی ہے اپنا ذاتی تجربہ ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں کہ ''اغوا اور زنا کے جو سینکڑوں مقدمات میں نے سنے ہیں، ان میں کم از کم ۹۰ فیصد کیسوں میں سزا ہمیشہ مرد کو ہوئی ہے۔'' (کتابچہ 'حدود قوانین': ص ۲۰)

طبقہ خواتین کی بے جا حمایت حاصل کرنے اور محض گرمیٔ محفل کے لئے حدود قوانین کے خلاف ایسا پروپیگنڈہ☆ کیا جاتا ہے۔ اسلام نے تو ہر دو صنف کے ساتھ عدل وانصاف کے تمام ضابطے پورے کئے ہیں جبکہ پاکستان میں نافذ انگریزی قانون کی صورتِ حال یہ ہے کہ اس کا

◉ حدود قوانین پر یہ اعتراض بھی کیا جاتا ہے کہ ان کے نفاذ کے لئے مناسب فضا اور ماحول کو مدنظر نہیں رکھا گیا، یہی وجہ ہے کہ اس کے بعد زنا کے کیسوں میں غیر معمولی اضافہ ہوا۔ جبکہ یہ دونوں باتیں ہی درست نہیں۔ اوّل تو قانون کی ضرورت ہوتی ہی اس وقت ہے جب حالات زیادہ خراب ہوں۔ اس وقت محض وعظ وتبلیغ کی بجائے قانون کی مدد اور قوت سے بھی اسے روکنا پڑتا ہے۔ جب چوری بڑھ جائے تو کیا چوری کا قانون ختم کردینا چاہئے یا اس کو مزید قابل عمل اور سخت بنانا چاہئے۔ حدود قوانین کے نفاذ کے وقت جرائم کا زیادہ ہونا بلکہ اس بات کی دلیل ہے کہ سابقہ قوانین ان جرائم کو روکنے میں ناکام ہوچکے تھے، اسی لئے اُن جرائم کی بہت کثرت ہوگئی تھی چنانچہ جرائم کے خاتمے کے لئے اللہ کے دیے ہوئے قوانین کو نافذ کیا گیا۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ حدود قوانین کے بعد ان جرائم میں مزید اضافہ ہوا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ پہلے زنا قانوناً جرم ہی نہیں تھا، اس کا پہلے قانونی اندراج ہی نہیں ہوتا تھا، جب اندراج ہونا شروع ہوا تب تو لازماً سابقہ صورتحال میں اضافہ ہی محسوس ہوگا۔ گویا اس جرم کی باقاعدہ رپورٹنگ کا آغاز ہی ۱۹۷۹ء کے بعد ہونا شروع ہوا۔ تاہم یہ بات درست نہیں کہ اس کے بعد زنا کے جرائم میں اضافہ ہوا جیسا کہ ہندوپاک میں زنا کے جرائم کے ایک تقابلی مطالعے سے واضح ہے کہ ۱۹۹۱ تا ۱۹۹۵ء کے دوران بھارت میں اس جرم میں ۴ء۴۰ فیصد جبکہ پاکستان میں محض ۴ء۸ فیصد اضافہ ریکارڈ کیا گیا۔ ('حدود آرڈیننس، نفاذ کے ۲۵ سال' از شہزاد شام) یہ بھی واضح رہے کہ بھارت کے اعداد وشمار پاکستان کے برعکس صرف زنا بالجبر کے ہیں کیونکہ پاکستان کے سابقہ قانون کی طرح بھارت میں زنا بالرضا جرم ہی نہیں ہے اور یہی صورت حال مغرب میں بھی ہے۔

◉ بعض لوگ یہ بھونڈی دلیل بھی دیتے ہیں کہ برائی سے رکنا انسان کا اپنا فرض ہے؛ جو نہیں رکنا چاہتا، اس کو قانون بھی نہیں روک سکتا۔ اوّل تو یہ نکتہ (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ کو نہیں سوجھا کہ اُنہوں نے بلاوجہ انسانوں کو یہ حدود اللہ عطا کردیے، پھر یہ بات بھی غور طلب ہے کہ ہماری حکومتوں نے باقی جرائم کے لئے قانون سازی کیوں کررکھی ہے، اُنہیں بھی انسانوں کے شعور اور پسند وناپسند پر کیوں نہیں چھوڑ دیا جاتا۔ اگر جرائم کے بارے میں یہی رویہ ہونا چاہئے تو حکومت، عدلیہ اور پولیس کی پھر کیا ضرورت باقی رہ جاتی ہے؟ دیگر جرائم کی روک تھام کے لئے تو قوانین کو سخت کیا جاتا ہے جبکہ حدود قوانین میں یہ منطق اُلٹ کردی جاتی ہے، کیوں؟؟

www.KitaboSunnat.com

© rasailojaraid.com

اُصولی رجحان ہی عورت کے لئے خصوصی استحقاق اور مردوں کے خلاف امتیاز پر مبنی ہے جیسا کہ حدود پر اپنے کتابچہ کے آغاز میں ہی اُصولی بنیاد کے طور پر جسٹس (ر) جاوید اقبال لکھتے ہیں:

''یہ حقیقت قانوناً تسلیم کرلی گئی کہ برصغیر کی عورت چونکہ پس ماندہ اور مظلوم ہے، اس لئے ضابطہ فوجداری کے ہر جنسی جرم میں جس میں عورت ملوث ہو، عورت کو ملزم تصور نہ کیا جائے۔ لہٰذا اغوا، زنا بالجبر، کسی کی بیوی کو ورغلا کر اپنے ساتھ بھگا لے جانا وغیرہ، ایسے جرائم کی پولیس رپورٹ میں عورت کا سٹیٹس مستغیثہ یا مظلوم کا ہوتا ہے، نہ کہ ساتھی ملزم کا۔ خواہ ایسے کسی جرم میں اس کی رضامندی شامل ہی کیوں نہ ہو۔''

(کتابچہ: 'زنا آرڈیننس کا تنقیدی جائزہ'، ص۲ شائع کردہ: عورت فاؤنڈیشن)

دراصل یہ فرض کرلیا گیا ہے کہ عورت لازماً معصوم ہی ہوتی ہے اور مرد ہمیشہ اس پر جارح ہوتا ہے جبکہ یہ تصور ہی صنفی امتیاز پر مبنی ہے۔ اسلام کی رو سے جس طرح عزت وعصمت کا تصور عورتوں کے ساتھ وابستہ ہے، ویسے ہی مردوں کے لئے بھی یہی تصور موجود ہے، وگرنہ اسلام میں مردوں پر تہمت لگانے کی سزا کیوں مقرر کی گئی ہے......؟

قانون کو فریقین کے تحفظ اور دونوں صنفوں کے ساتھ عدل وانصاف کے تقاضوں کو پورا کرنا چاہئے۔ جدید تحریکِ نسواں کے نعروں کے بعد یہ عجیب رجحان پیدا ہوگیا ہے کہ قانون ہمیشہ عورت کو ہی مظلوم خیال کرتا ہے۔ اسی نوعیت کا ایک واقعہ مجھے گذشتہ دنوں دبئی میں مقیم میرے ایک قریبی عزیز نے سنایا کہ ایک عورت نے ان کے دوست کو برائی کی دعوت دی (اور یہ بات بھی عجیب نہیں جیسا کہ قرآن میں عزیزِ مصر کی بیوی کا حضرت یوسفؑ کے بارے میں مشہور قصہ بھی موجود ہے) تو اس شخص نے قریب موجود پولیس کے ایک سپاہی کو یہ شکایت کی کہ اس عورت کے خلاف کیا کوئی قانون حرکت میں نہیں آتا؟ وہ سپاہی بولا کہ قانون تو ضرور حرکت میں آتا ہے مگر اس وقت جب یہ شکایت تمہاری جگہ وہ عورت کرتی۔☆

اس سے پتہ چلتا ہے کہ صنفی امتیاز حدود قوانین کی بجائے مغربی قانون کی بنیادی ساخت میں موجود ہے لیکن اس کے خلاف کوئی آواز بلند نہیں کی جاتی۔

☆ حدود قوانین میں بھی عورت کو یہ رعایت دی گئی ہے کہ قانونِ قذف کی رو سے صرف عورت ہی مرد کے خلاف تہمت لگانے کا دعویٰ کرسکتی ہے جبکہ یہ قانون مرد کو عورت کے خلاف یہ حق نہیں دیتا۔

(دیکھیں: انٹرویو اماں اللہ بلوچ ایڈووکیٹ، 'حدود قوانین اور این جی اوز': ص۲۱)

www.KitaboSunnat.com

مجوزہ ترامیم پر تبصرہ اور مُضمرات

پہلی مجوزہ ترمیم بہ سلسلہ سزا

زنا بالجبر اور زنا بالرضا کی سزاؤں میں تفریق یعنی زنا بالجبر کے لئے سزائے موت یا ۲۵ سال قید اور زنا بالرضا کے لئے تعزیراتِ پاکستان میں موجود قانون کی بحالی

تبصرہ: حدود اللہ : اسلام کی رو سے زنا بالجبر ہو یا زنا بالرضا، ہر دو صورت میں زنا ہونے کے ناطے یہ سنگین ترین جرم ہے۔ کم از کم مرد کی حد تک تو اس جرم میں کوئی فرق نہیں البتہ زنا بالجبر کی صورت میں محض عورت کے اپنے بیان اور قرائن سے اس کی شہادت ملنے پر اس کو نہ صرف بری کردیا جائے گا بلکہ اس کے حقِ عصمت میں دخل اندازی کی بنا پر زنا بالجبر کے مجرم پر اس کا مہر مثل☆ بھی عائد کیا جائے گا اور حکومتِ وقت بھی اس کی دلجوئی کے مختلف ذرائع اختیار کرے گی۔ چونکہ مغرب کے ہاں زنا کی دو قسمیں اور دونوں کے علیحدہ احکام ہیں، اس لئے یہ تقسیم ہی مغربی طرزِ فکر کی آئینہ دار ہے جبکہ اسلام نے عورت کے لحاظ سے زنا کی دو اقسام بنانے کی بجائے اسے فریقین کی ازدواجی حیثیت کے لحاظ سے شادی شدہ اور غیر شادی شدہ میں تقسیم⦿ کیا ہے، غیر شادی شدہ زانی / زانیہ کو ۱۰۰ کوڑے اور جلاوطنی جبکہ شادی شدہ

☆ موطأ امام مالکؒ میں ہے کہ عبد الملک بن مروان نے زانی پر مجبور کی جانے والی عورت کا حق مہر عائد کیا۔ (رقم: ۱۲۱۸) حضرت عمرؓ کے دور میں ایک شخص نے جبراً عورت سے زنا کیا تو آپؓ نے زانی پر حد لگانے کے علاوہ اسے عورت کی ثلث دیت ادا کرنے کا حکم بھی دیا۔ (مصنف عبد الرزاق: ۱۳۶۶۳) حضرت علیؓ اور ابن مسعودؓ کا یہ موقف ہے کہ کنواری سے زنا بالجبر کی صورت میں اسے کنواریوں کا مہر مثل اور شادی شدہ سے زنا بالجبر کی صورت میں شوہر دیدہ کا مہر مثل ادا کرنا ہوگا۔ (ایضاً: ۱۳۶۵۷) امام زہریؒ اور قتادہؒ نے بھی جبر کی صورت میں زانی پر مہر ادا کرنے کا حکم لگایا ہے۔ البتہ قتادہؒ کے نزدیک جبر کی علامت یہ ہے کہ عورت چیخ وپکار کرے (ایضاً: ۱۳۶۵۶) امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کا موقف یہ ہے کہ مہر متاثرہ عورت کو ہی ادا کیا جائے گا۔ (المغنی: ۳۹۶/۷) مزید دیکھئے: المغنی: ۱۷۱/۱۲، ۳۴۷، ۳۴۸ اور ۳۶۰، طبع مؤسسة هجر، قاہرہ

⦿ یہی وجہ ہے کہ اسلام میں زنا بالجبر کے لئے کوئی مستقل اصطلاح بھی نہیں ہے لیکن بعض لوگوں نے اس کے لئے اغتصاب المرأة کی اصطلاح پیش کی ہے جبکہ یہ ترکیب 'بطورِ اصطلاح' بالکل اجنبی ہے اور قرآن، حدیث، فقہ اور تاریخ کی بنیادی کتب میں اس اصطلاح کا کوئی تذکرہ نہیں ملتا۔

www.KitaboSunnat.com

© rasailojaraid.com

زانی رزانیہ کو سنگساری کی سزا جیسا کہ یہ تمام باتیں قرآن وحدیث میں موجود ہیں۔

حدود قوانین: جہاں تک حدود قوانین ۱۹۷۹ء کا تعلق ہے تو زانی رزانیہ کے شادی شدہ ہونے یا نہ ہونے کے اعتبار سے ان کی دو شرعی سزائیں ہی مقرر کی گئی ہیں، البتہ تعزیرات کے ضمن میں زنا بالجبر اور زنا بالرضا میں فرق کیا گیا ہے اور وہ یہ کہ شق ۹ کی ذیلی دفعہ ۴ کی رو سے شرعی نصابِ شہادت پورا نہ ہو تو شق ۱۰ کی ذیلی دفعہ ۲ کے تحت زنا بالرضا کی سزا ۱۰ سال قید بامشقت، 'تیس کوڑے یا جرمانہ' اور ذیلی دفعہ ۳ کی رو سے زنا بالجبر کی سزا ۲۵ برس قید بامشقت اور 'جرمانہ یا ۳۰ کوڑے' ہوگی۔ گویا حدود قوانین میں اس فرق☆ کی بنیاد نصابِ شہادت ہے۔

☆ ایک جرم کے دو معیارِ شہادت پر دو علیحدہ سزائیں دینے پر بعض لوگوں کو اعتراض ہے اور کہا جاتا ہے کہ کوئی جرم یا تو ہوتا ہے یا نہیں؟ اس کا کیا مطلب ہوا کہ زنا تو ثابت نہیں ہوا لیکن اس کو تعزیری طور پر سزا دے لی جائے۔ دراصل یہاں ایک غلط فہمی موجود ہے کیونکہ تعزیری کی صورت میں اسکو زنا کی بجائے چھیڑ چھاڑ، سیہ کاری یا بوس وکنار کا مجرم سمجھا جائے گا۔ فعل زنا کی سزا تو واضح اور ناقابل تغیر ہے، البتہ مبادیاتِ زنا کی تعزیراً کوئی بھی سزا دی جاسکتی ہے۔ جسٹس محمد تقی عثمانی اور جماعت الدعوۃ کے مفتی عبدالرحمٰن رحمانی نے اس کی یہی توجیہ کی ہے۔ ('حدود قوانین؛ موجودہ بحث' از جسٹس تقی عثمانی ص ۲۹، اور مجلۃ الدعوۃ: جولائی ۲۰۰۶ء، ص ۱۱)

☜ جسٹس (ر) جاوید اقبال کے الفاظ میں: ''جدید کریمنل جورسپروڈنس میں 'اوتو فواس ایکوٹ' کا عام اُصول ہے یعنی اگر شہادت کی روشنی میں جرم ثابت نہ ہو تو اس جرم سے بری کئے گئے ملزم کو اسی شہادت کی بنا پر دوبارہ ملزم گردان کر اور قسم کی سزا نہیں دی جاسکتی۔'' ('زنا آرڈیننس کا تنقیدی جائزہ': ص ۸)

حدود قوانین پر یہ اعتراض جدید اُصولِ قانون کی روشنی میں ہے۔ اوّل تو یہ گنجائش اسی قانون میں موجود ہے نیز اسلامی شریعت کے احکام اور ان کے نفاذ کا طریقہ جدید مغربی قانون سے مختلف ہے۔ مثلاً جدید قانون کی رو سے جرمِ زنا ثابت نہ ہونے پر تہمت لگانے والے پر ازخود قذف کی کاروائی شروع نہیں ہوتی بلکہ اس کے لئے الگ سے قذف کا کیس کرنا پڑے گا، جبکہ اسلام کی رو سے دوسرے کیس کی ضرورت نہیں بلکہ قاضی کو خود ہی اس تادیبی کاروائی کو اختیار کرلینا چاہئے۔ جیسا کہ حضرت عمرؓ نے مغیرہؓ بن شعبہ پر تہمت لگانے والوں کے خلاف ازخود قذف کی کاروائی کردی۔ (دیکھیں حاشیہ صفحہ نمبر ۲۱) البتہ اس سقم کی وجہ حدود قوانین کی بجائے ہمارے ہاں مروّجہ مغربی نظامِ عدل کی ہے کہ زیر بحث قانونی دفعہ کی سماعت پر ہی کیس ختم ہوجاتا ہے اور دوبارہ نیا کیس داخل کرنا پڑتا ہے لیکن اسے حدود قوانین کے کھاتے میں ڈال دیا جاتا ہے۔ اس اختلاف کی بنیادی وجہ ہر دو قوانین کے مقصد اور طریق کار میں فرق ہے۔ اسلامی قانون 'حقیقی انصاف' Real Justice کا داعی ہے اور مغربی قانون 'ضابطہ جاتی انصاف' Formal Justice کا۔

© rasailojaraid.com

مُجوزہ ترمیم: اب ہم مجوزہ ترمیم کی طرف نظر کرتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ یہاں اسی زنا بالرضا اور زنا بالجبر میں فرق کو اساسی حیثیت دی جارہی ہے۔ اور زنا بالجبر کی صورت میں سزاے موت کا اضافہ کردیا گیا ہے۔ یہ سزا خلافِ اسلام ہے کیونکہ اسلام نے کنوارے زانی کے لئے چاہے وہ زنا بالجبر کا مرتکب بھی ہو، سزاے موت نہیں رکھی۔ صحیح بخاری میں یہ عنوان قائم کیا گیا ہے کہ ''مجبور عورت پر کوئی حد نہیں!'' اس کے تحت یہ حدیث ہے:

أن عبدًا من رقيق الإمارة وقع على وليدة من الخُمس فاستكرهها حتى افتضها فجلده عمر الحد ونفاه ولم يجلد الوليدة من أجل أنه استكرهها

''خلیفہ کے غلاموں میں سے ایک نے مالِ خمس (بیت المال) کی ایک کنیز کو اس قدر مجبور کیا کہ اس سے زنا بالجبر کرلیا تو حضرت عمرؓ نے اس غلام پر کوڑوں کی حد نافذ کی اور اس کو جلا وطن کردیا، جبکہ کنیز کو کوڑوں کی سزا نہ دی کیونکہ اس کو مجبور کیا گیا تھا۔''

(صحیح بخاری، موطا امام مالک: کتاب الحدود، رقم ۱۵، مصنف عبدالرزاق: ۱۳۴۶۸)

موطا کی روایت میں ہے کہ یہ شخص خمس کے غلاموں پر نگران تھا، اسلئے اس نے مجبور کرلیا۔

◉ ایسے ہی ایک شخص نے حضرت ابوبکرؓ صدیق کو یہ شکایت کی کہ اس کے مہمان نے اس کی بہن سے زنا بالجبر کا ارتکاب کیا ہے۔ آپ نے اس سے تفتیش کی تو اس نے اعتراف کرلیا، فضرب به أبوبكر الحد ونفاه سنة إلى فدك ولم يضربها ولم ينفها لإنه استكرهها ثم زوجها إياه أبوبكر وأدخله عليها

(موطا امام مالک: کتاب الحدود، رقم ۱۳، مصنف عبدالرزاق: ۱۲۷۹۶)

''حضرت ابوبکرؓ نے اس پر حد جاری کی اور 'فدک' میں اس کو جلاوطن کردیا، جبکہ عورت کو نہ تو کوڑے مارے اور نہ ہی اسے جلاوطن کیا کیونکہ اس نے عورت کو مجبور کیا تھا۔ بعد ازاں حضرت ابوبکرؓ نے اسی شخص سے عورت کا نکاح کردیا اور اُسکی اِس عورت سے شادی کردی۔''

اس واقعہ میں بھی زنا بالجبر ہوا لیکن اس کو سزاے موت دینے کی بجائے کوڑے اور جلا وطنی کی سزا دی گئی۔ یہ شخص جلاوطنی کاٹ کر واپس آیا تو آپؓ نے اس کو اسی عورت سے شادی کرنے کا حکم دیا۔ (یہ واقعات صحیح ہیں، دیکھیں أقضية الخلفاء الراشدين: ۸۴۰/۲)

☜ زنا بالجبر کی سزا موت قرار دینے کے لئے دورِ نبویؐ کا یہ واقعہ پیش کیا جاتا ہے کہ ''ایک

© rasailojaraid.com

عورت نماز پڑھنے کے لئے گھر سے نکلی تو ایک شخص نے اس سے زنا بالجبر کرلیا۔ شور مچانے پر وہ شخص بھاگ نکلا کہ اسی دوران ایک آدمی گزرا تو عورت نے اسے یہ شکایت کی، پھر مہاجرین کی ایک جماعت کا وہاں سے گزر ہوا تو اس عورت نے انہیں بھی شکایت لگائی۔ وہ صحابہؓ چلے گئے اور کچھ دیر بعد ایک آدمی کو پکڑ لائے جس کے بارے میں عورت کا یہ گمان تھا۔ اسے عورت کے سامنے لایا گیا تو اس نے کہا کہ یہی ہے وہ شخص۔ سو وہ اس شخص کو نبی کریم ﷺ کے پاس لے آئے، آپ نے جب اس کو سزا دینے کا حکم دیا تو ایک اور شخص کھڑا ہوگیا اور اس نے کہا کہ اس عورت سے میں نے زنا کیا ہے۔ تب آپ نے اس عورت کو جانے کی اجازت دی کہ جا تجھے اللہ نے معاف کردیا ہے اور اس شخص کے لئے اچھے کلمات بولے۔ (کسی نے) کہا کہ اس کو رجم کردو تو آپؐ نے فرمایا: اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر اہل مدینہ بھی ایسی توبہ کریں تو ان سے بھی قبول کی جائے۔'' (سنن ابوداود:۴۳۷۹ واللفظ لہ، سنن ترمذی:۱۴۵۴)

لیکن اس واقعہ سے یہ کب ثابت ہوتا ہے کہ وہ شخص کنوارا تھا؟ ظاہر ہے کہ وہ شخص شادی شدہ ہوگا اور اسی لئے اس کو رجم کا حکم دیا گیا ہوگا۔ اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ زنا بالجبر کی سزا حرابہ (ڈاکہ اور فساد فی الارض) کی بجائے رجم کی ہی ہے۔ (تفصیلات آگے صفحہ نمبر ۲۶ پر)

کیا زنا بالجبر کی سزا 'حرابہ' کی ہے؟

زنا بالجبر کی سزا موت قرار دینے کے لئے بعض تجدد پسند دانشور اسے حرابہ (ڈاکہ اور فساد فی الارض) کے تحت لاتے ہیں۔ لیکن ان کا موقف درست نہیں جیسا کہ گذشتہ احادیث میں زنا بالجبر پر کنوارے کے لئے کوڑے اور شادی شدہ کے لئے رجم کی سزا کا ذکر ہوا ہے۔

❶ یہ موقف خلافِ قرآن ہے کیونکہ کنوارے کے لئے قرآنِ کریم نے سورۃ النور کی دوسری آیت میں ۱۰۰ کوڑے کی سزا مقرر کی ہے۔ قرآنی سزا کنوارے کے لئے ہے جس کا قرینہ یہ ہے کہ اگلی آیت میں ''زانی کا نکاح یا تو زانیہ سے ہے یا مشرکہ سے'' کا تذکرہ موجود ہے۔ ایسے ہی نبی ﷺ کا واضح فرمان ہے:

أنه أمر فيمن زنیٰ ولم يحصن بجلد مائة وتغريب عام (صحیح بخاری:۲۶۴۹)

''نبی کریم ﷺ نے غیر شادی شدہ زانی کے بارے میں یہ حکم دیا کہ اس کو ۱۰۰ کوڑے مارے

www.KitaboSunnat.com

© rasailojaraid.com

جائیں اور ایک سال کے لئے جلا وطن کر دیا جائے۔''

اگر کنوارہ زنا بالجبر کرے تو شریعت کی رو سے تب بھی اس کو قتل نہیں کیا جائے گا، لیکن حرابہ کے تحت لے آنے کی صورت میں کنوارے کو بھی قتل کرنا پڑے گا جو خلافِ اسلام ہے۔

٢ حرابہ کے تحت ہونے والے جرائم آیتِ حرابہ سے اگلی آیت کی رو سے گرفتاری سے قبل قابل توبہ (معافی) ہیں۔ جن لوگوں نے زنا بالجبر کی سزا کو حرابہ کے تحت قرار دیا ہے، وہ بھی اس بنا پر اس کو قابل معافی قرار دیتے ہیں۔ ڈاکٹر محمد فاروق خاں لکھتے ہیں کہ

''زنا بالجبر دراصل پوری سوسائٹی کے خلاف ایک جرم ہے، آیتِ حرابہ سے ہدایت ملتی ہے کہ

* ایسے مجرموں کے لئے حکومت کسی موقعہ پر عام معافی کا اعلان بھی کرسکتی ہے۔
* اگر حکومت کے ہاتھ لگنے سے قبل کوئی مجرم خود ہی پچھلے جرائم سے تائب ہونے کا اعلان کر دے تو حکومت اس کو معاف کرسکتی ہے۔'' ('حدود، حدود آرڈیننس اور خواتین': ص ٢٥)

گویا ایک طرف زنا بالجبر کو سوسائٹی کے خلاف جرم قرار دے کر سزا کی سنگینی کا مطالبہ کیا جاتا ہے اور دوسری طرف زنا مان کر اس کے لئے معافی کی گنجائش بھی نکال لی جاتی ہے۔ یہ دوہری منطق ناقابل فہم ہے۔ اس لئے کہ کسی جرم کا حدود اللہ میں آجانا اس کی سنگینی میں اضافہ کرتا ہے نہ کہ کمی کیونکہ حدود اللہ میں کوئی کمی بیشی نہیں ہوسکتی اور نہ ہی قاضی کے پاس آنے کے بعد ان کی معافی ہوسکتی ہے۔ یہی بات نبی کریم ﷺ نے اپنے صحابہ کو بھی اس وقت فرمائی تھی جب وہ حضرت اسامہؓ کے ذریعے ایک مخزومی عورت کی چوری کی سزا کم کرنے کی سفارش آپ کے پاس لے کر آئے تھے تو آپ ﷺ نے اُنہیں ڈانٹا:

«أتشفع في حد من حدود الله ثم قام فخطب: ...... لو أن فاطمة بنت محمد سرقت لقطع محمد يدها»

(صحیح بخاری: کتاب الحدود، باب كراهية الشفاعة في الحد، رقم ٦٧٨٨)

''کیا تم حدود اللہ میں سے ایک حد کے بارے میں سفارش کرتے ہو۔ پھر آپ کھڑے ہوگئے اور خطبہ ارشاد فرمایا کہ اگر فاطمہؓ بنتِ محمد بھی چوری کرتی تو محمد اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتے۔''

اس سے پتہ چلتا ہے کہ حکومت تو درکنار، دربارِ نبوت ﷺ سے بھی ان کی سزا کے بارے میں کوئی نرمی نہیں کی جاسکتی، کجا یہ کہ اُنہیں سرے سے ہی معاف کر دیا جائے۔

© rasailojarayd.com

دراصل زنا بالجبر کو حرابہ میں لے جانے کی وجہ ہی یہ ہے کہ اس موقف کے قائل حد رجم کے منکر ہیں۔ حد رجم کے ان منکرین کا زنا بالجبر پر سزائے موت کا یہ موقف بھی ان کے سابقہ موقف کی طرف سبیل المومنین اور اجماعِ اُمت سے انحراف ہے!!

مذکورہ بالا تفصیل سے پتہ چلتا ہے کہ حدود قوانین میں تبدیلی کا نام لے کر حدود اللہ میں ترمیم کی جسارت کی جارہی ہے اور اس طرح کھلے عام کتاب وسنت کے خلاف قانون سازی اللہ سے بغاوت اور دستورِ پاکستان کی واضح دفعات کی خلاف ورزی ہے۔

❁ جہاں تک زنا بالرضا کی سزا کو مجموعہ تعزیراتِ پاکستان کے مطابق کرنے کی بات ہے تو یہ اسلام کے ساتھ صریح زیادتی، نظریۂ پاکستان سے انحراف اور مسلمانانِ پاکستان پر واضح ظلم ہے۔ کیونکہ تعزیراتِ پاکستان میں زنا بالرضا بذاتِ خود کوئی جرم نہیں، یہ قانون چونکہ انگریز کے دور سے چلا آتا ہے، اور انگریز کے ہاں زنا بذاتِ خود کوئی جرم نہیں بلکہ محض ازدواجی حقوق میں مداخلت کی بنا پر اسے جرم سمجھا جاتا ہے۔ اسی بنا پر آج بھی یورپ میں زنا کاری اور فحاشی کا بازار گرم ہے اور یہ چیز مغربی معاشرے میں کوئی معیوب امر نہیں۔ مغربی ممالک کے ایک حالیہ سروے کے مطابق وہاں بسنے والے مرد اوسطاً اپنی زندگی میں ۱۴ء۶ عورتوں سے جبکہ عورت اوسطاً ۱۱ء۵ مردوں سے جنسی تعلق قائم کرتی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ سب زنا کاری ہی ہے اور رضامندی کی وجہ سے اس پر کوئی قانون حرکت میں نہیں آتا۔ مغرب میں نکاح کی حیثیت وقتی رضامندی کو حاصل ہے جو اگر نکاح کے بعد بھی حاصل نہ ہو تو عورت اپنے شوہر کے خلاف ازدواجی زنا بالجبر کا مقدمہ دائر کرسکتی ہے۔ زنا بالرضا کو حدود آرڈیننس سے نکال کر جس تعزیراتِ پاکستان میں دوبارہ لایا جارہا ہے، اس کو بھی ایک نظر ملاحظہ فرمالیں:

تعزیراتِ پاکستان کی دفعہ ۴۹۷ میں زنا کی تعریف یہ ہے:

''جو کوئی کسی عورت کے ساتھ مباشرت کرتا ہے، جس کے بارے میں وہ جانتا ہے یا یقین رکھتا ہے کہ وہ کسی اور کی بیوی ہے اور اس شخص کی اجازت یا اس کی ملی بھگت کے بغیر اس فعل کا ارتکاب کرتا ہے نیز اس کا یہ فعل زنا بالجبر کے زمرے میں بھی نہیں آتا تو کہا جائے گا کہ اس نے زنا کے جرم کا ارتکاب کیا ہے اور اسے ۵ سال تک قید یا جرمانہ یا دونوں کی سزا سنائی جائے گی۔ اس مقدمہ میں بیوی کو بطورِ ترغیب دینے والی کے کوئی سزا نہیں دی جائے گی۔''

اسی دفعہ میں بھی یہ صراحت موجود ہے کہ یہ زنا بالجبر کے بارے میں نہیں اور تعزیراتِ پاکستان میں زنا بالجبر کے لئے مستقل علیحدہ دفعہ ۳۷۵ بھی موجود ہے، تو واضح ہے کہ تعزیرات پاکستان کی یہی وہ دفعہ ہے جو زنا بالرضا کے بارے میں مجوزہ ترامیم کے بعد مؤثر ہوجائے گی...... یاد رہنا چاہئے کہ پاکستان میں پہلی بار حدود قوانین نے زنا کو قانونی طور پر ناجائز قرار دیا تھا، ۱۹۷۹ئسے پہلے اسلامی جمہوریہ پاکستان میں زنا کے راستے میں محض اسلامی یا معاشرتی وسماجی رکاوٹ حائل تھی...... دوسری طرف حدود قوانین نے زنا کی یہ تعریف کی:☆

''دفعہ۴: ایک مرد یا عورت جو جائز طور پر آپس میں شادی شدہ نہیں ہیں، زنا کے مرتکب ہوں گے، اگر وہ بلاجبر واِکراہ ایک دوسرے کے ساتھ مباشرت کرتے ہیں۔''

چنانچہ اگر زنا بالرضا کو حدود قوانین کی بجائے دوبارہ مجموعہ تعزیراتِ پاکستان کے تحت کردیا جائے تو گویا حدود آرڈیننس کے اصل امتیاز اور بنیادی ضرورت واہمیت کا ہی خاتمہ ہوجاتا ہے اور اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ کنواری، بیوہ یا مطلقہ اگر زنا کا ارتکاب کریں تو اُنہیں زنا کا مجرم قرار ہی نہیں دیا جاسکتا۔ اگر بیوی شوہر کی رضامندی سے زنا کا ارتکاب کرے تو اس صورت میں بھی یہ زنا نہیں ٹھہرتا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ زنا بذاتِ خود جرم نہیں بلکہ شوہر کی عدم رضامندی کی صورت میں ہی جرم قرار پاتا ہے۔ پھر شوہر ہی اس کے خلاف مقدمہ درج کراسکتا ہے، ہر مسلمان نہیں۔ علاوہ ازیں تعزیراتِ پاکستان میں یہ جرم قابل راضی نامہ اور قابل ضمانت بھی ہے۔ اگر زنا پر سزا ہو بھی جائے تو وہ محض ۵ سال یا جرمانہ ہے۔ صنفی امتیاز کی حد یہ ہے کہ اگر مرد کو ان تمام شرائط کو ملحوظ رکھنے کے بعد سزا کا مستحق بنا بھی دیا جائے تب بھی عورت کو بطورِ ترغیب دینے والی کے کوئی سزا نہیں دی جاسکتی۔

اب آپ خود غور کرلیں کہ اگر حدود قوانین میں یہ ترامیم کردی جاتی ہیں جو دراصل محض ترمیم کا نام، دراصل حدود قوانین کی منسوخی ہے تو اس کے بعد معاشرے میں زنا کاری پر کوئی قانونی قدغن باقی نہیں رہے گی۔ چونکہ ہماری این جی اوز اور مقتدر طبقہ کے فکر ونظر کے پیمانے مغرب سے مستعار ہیں، اس لئے زنا بالرضا کو دوبارہ تعزیراتِ پاکستان کے حوالے کرکے

☆ دیکھئے کتابچہ 'حدود قوانین؛ موجودہ بحث' از جسٹس تقی عثمانی شائع کردہ IPS، ص ۱۹

www.KitaboSunnat.com

© rasailojaraid.com

(جہاں اس حوالے سے کوئی قانون ہی نہیں ہے) ملحدانہ معاشرت کو دعوت دی جارہی ہے۔

کیا یہی ہے وہ مقصد اور منزل جس کے لئے کئی ماہ سے جیو نے عوام کو 'ذرا سوچئے' اور پارلیمنٹ کو 'کب سوچنے' کی دہائی مچا رکھی تھی......؟

پہلی ترمیم کی توجیہ پر ایک نظر: آخر میں اس ترمیم کی توجیہ پر بھی نظر ڈال لینا مناسب ہوگا:

''ہر ایسا جرم جس کی سزا قرآن وسنت میں بیان نہیں کی گئی، اس کو حدود آرڈیننس سے نکال لیا جائے۔ زنا کی تعزیری سزاؤں کو بھی اسی لئے حدود آرڈیننس سے نکال دیا گیا ہے اور زنا بالجبر کے قوانین کو تعزیراتِ پاکستان میں 'ریپ' کے نئے نام سے شامل کیا گیا ہے۔''

(روزنامہ 'اُمت' کراچی: ۴/اگست ۲۰۰۶ء)

تبصرہ: معلوم ہوا کہ زنا بالجبر کو بھی حدود قوانین سے اس لئے نکالا گیا کہ بزعم خود یہ قرآن وسنت میں موجود نہیں جبکہ قرآن نے زنا کی سزا کو بھی بیان کیا ہے اور سنتِ نبویؐ سے شادی شدہ کے لئے رجم کی سزا بھی ثابت شدہ ہے۔ پھر جن لوگوں کے نزدیک زنا بالجبر حرابہ کی ایک قسم ہے، ان کے نزدیک بھی یہ آیتِ حرابہ (المائدۃ:۳۲) کے تحت آتا ہے۔اس بنا پر یہ غلط بیانی اور 'عذرِ گناہ بدتر از گناہ' کے مصداق ہے۔

دراصل یہ توجیہ حدود قوانین میں موجود تعزیری سزاؤں کو نکالنے کے لئے پیش کی گئی ہے۔ کیونکہ اگر کسی وقوعہ پر چار گواہ نہ ملیں تب بھی کم تر شہادت پر بعض تعزیرات مبادیات زنا کے طور پر لاگو ہو جاتی ہیں، چنانچہ ان تعزیرات کے خاتمے کے لئے بھی یہ توجیہ کردی گئی ہے تاکہ زنا کے نام سے کوئی قابل سزا جرم باقی ہی نہ رہے۔ یہ ہے وہ عقل عیار جو قرآن وسنت اور حدود اللہ سے کھیلنے کے لئے ہی حرکت میں آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہدایت عطا فرمائے!

دوسری مجوزہ ترمیم بہ سلسلہ شہادت

''حدود آرڈی نینس میں صرف زنا کی حد کے تحت سزا شامل ہوگی جو شادی شدہ مجرموں کے لئے رجم اور غیر شادی شدہ مجرم کے لئے کوڑوں پر مشتمل ہوگی۔ حد زنا کے لئے چار مرد گواہوں کی شرط ختم کرتے ہوئے اب مرد کے ساتھ عورت کی گواہی کو بھی تسلیم کیا جائے گا۔ اس کے لئے قانونِ شہادت ۱۹۸۴ء میں ترمیم کی جارہی ہے۔''

تبصرہ: حالیہ ترامیم باہم متناقض ہیں۔ ایک طرف زنا کو دو اقسام: جبر اور رضا میں تقسیم

© rasailojaraid.com

کیا گیا ہے اور اسی تقسیم کو اصل بنایا جارہا ہے۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو مزید قانون کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی، دوسری طرف حدود قوانین میں زنا کو دوبارہ شادی شدہ اور غیر شادی شدہ کے لحاظ سے (یعنی اسلامی شریعت کے طور پر) بھی تقسیم کیا جارہا ہے تاکہ مسلمان بھی مطمئن رہیں اور کوئی اعتراض نہ ہوسکے لیکن عملاً یہ قانون در قانون کی ایک صورت ہے کیونکہ ایک واقعہ زنا بالرضا کے تحت آئے گا جہاں تعزیراتِ پاکستان میں اس کے لئے کوئی سزا نہیں تو دوسری طرف وہ ترمیم شدہ حدود آرڈیننس کے تحت شادی شدہ ہونے کی وجہ سے سنگساری کا مستحق بھی ہوگا، اب اس پرکس قانونی دفعہ کو لگایا جائے، اس کا فیصلہ کون کرے گا؟ ایسے ہی ایک واقعہ زنا بالجبر کا ہو اور دوسری طرف زانی کنوارا ہو تو اس صورت میں تعزیراتِ پاکستان کی رو سے تو وہ سزائے موت کا مستحق لیکن حدود آرڈیننس کی رو سے وہ ١٠٠ کوڑوں کا مستحق ہوگا۔ تضادات سے بھرپور یہ قانون سازی آخر کیوں؟ اس طرح جرمِ زنا کی سزا عائد کرنا تو ایک معمہ بن جائے گا سمجھنے، نہ سمجھانے کا!!

ممکن ہے کہ یہی اعتراض موجودہ حدود قوانین پر بھی کیا جائے کہ وہاں بھی سزاؤں کے دو معیار مقرر کئے گئے ہیں، لیکن طرفہ تماشا یہ ہے کہ پہلے تو اسی نکتہ پر ترمیم کے خواہش مند اعتراض کرتے تھے، اب خود اسی ثنویت کو اختیار کرتے ہیں تو وہ درست قرار پاتی ہے۔ علاوہ ازیں حدود قوانین میں دونوں سزاؤں میں باہم تضاد نہیں بلکہ جرم کی کمی بیشی کے اعتبار سے ان کی شدت میں بھی کمی بیشی ہے، اور دونوں سزاؤں میں حدفاصل اور میزان وہ نصابِ شہادت ہے جس کی رو سے زنا کی شرعی سزا تب ہی دی جاسکتی ہے جب عملاً وقوعہ زنا کی شہادت موجود ہو، وگرنہ نسبتاً کمتر سزا جو دراصل مبادیاتِ زنا کی سزا ہے، دی جاتی ہے۔ جبکہ مجوزہ ترامیم میں نہ وہ حد فاصل موجود ہے اور دونوں سزاؤں میں کمی بیشی کی بجائے تضاد بھی پایا جاتا ہے۔

اسلام کے نام پر پاکستان میں جاری کئے جانے والے قوانین عموماً اسی قسم کے مسائل اور تضادات سے پر ہیں جس کی وجہ سے ان پر عمل بھی نہیں ہو پاتا، ایسے قوانین کو بظاہر نافذ کرنے کی ضرورت قانون کے ایک بھیدی جسٹس ڈاکٹر جاوید اقبال کی زبانی سنئے:

''مذہبی لوگوں کو راضی رکھنے کیلئے ہمیں قانون تو بنانے پڑتے ہیں لیکن ان کو موٴثر اور قابل عمل

www.KitaboSunnat.com

© rasailojaraid.com

نہیں رکھا جاسکتا۔ ان کی حیثیت زیبائشی اور آرائشی قوانین کی ہوتی ہے۔ یہ منافقت اس لئے ضروری ہے کہ ہم علما کو بھی ناراض نہیں کر سکتے لیکن اسلامی قانون کو مؤثر بھی نہیں کر سکتے۔''

(دیکھئے کتاب 'اسلامی تہذیب بمقابلہ مغربی تہذیب' میں انٹرویو، ص ۸۴)

اس ترمیم میں ایک طرف بدکاری پر قانون در قانون پیش کر کے سزا کو اُلجھایا گیا ہے، اور بظاہر حدود اللہ کو برقرار دکھانے کی سعی کی جارہی ہے تو دوسری طرف پھر نصابِ شہادت کے لئے قرآن وسنت سے متصادم ترمیم اس میں شامل ہے کیونکہ اسلام نے حدود میں عورتوں کی گواہی کا راستہ تو سرے سے اختیار ہی نہیں کیا۔

اسلامی شریعت میں شرعی حد زنا کے سلسلہ میں عورتوں کی شہادت کی گنجائش نہیں۔ یہاں مرد وزن کی مساوات کو خلط ملط کرنے اور آدھی عورت کے جذباتی نعرے لگانے کی بجائے پہلے اسلامی موقف کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ اسلام نے مرد وزَن کو مساوات کے نام پر ایک دوسرے کا حریف ومقابل بنانے کی بجائے دونوں صنفوں میں تقسیم کار کا تصور دیا ہے۔ اگر دونوں صنفوں کے کام بھی ایک جیسے ہی ہوں تو پھر دوسری صنف کو پیدا کرنے کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔

اسلام نے عورت کی گواہی کو آدھا نہیں کیا بلکہ مردوں کے معاملات میں اور جہاں شرم وحیا آڑے آجائے، وہاں مردوں کی گواہی کو رواج دینے کی ترغیب دی ہے جبکہ عورتوں کے معاملات میں ان کی گواہی کو مردوں سے بھی زیادہ حیثیت دی ہے۔ مثال کے طور پر دنیا بھر کے تمام مسلمان اپنی ماں کی اکیلی شہادت پر اپنے باپ کی ولدیت کا یقین کرتے ہیں۔ ایسے ہی رضاعت، حیض وغیرہ میں عورت کی اکیلی گواہی مردوں سے زیادہ معتبر حیثیت رکھتی ہے۔

(صحیح بخاری:۸۸، المغنی:۱۴/۱۳۴، الطرق الحکمیۃ:ص۷۲، تفصیلات: ولایۃ المرأۃ :ص۲۸۷)

اسلام نے عورتوں کو حدود کے معاملات میں گواہی دینے کا رویہ اس لئے نہیں اپنایا کہ اسلام کی رو سے یہ دائرۂ عمل عورتوں کی حرمت وتقدس کے خلاف ہے کیونکہ گواہوں کیلئے فعل زنا کی عملی تفصیلات پیش کرنا بھی ضروری ہے، اسکے بغیر گواہی مکمل نہیں ہوتی۔ (فقہی انسائیکلوپیڈیا: ج۲۴/ص۳۹) عورتوں کا عدالتوں میں آنا جانا اور وہاں وکلا کی شدید جرح کے بالمقابل جرمِ زنا

www.KitaboSunnat.com

© rasailojaraid.com

کی عملی تفصیلات میں ان کی فطری شرم وحیا کا حائل ہونا ایسی رکاوٹ ہے جس کی وجہ سے اسلام نے عورت کو مستثنیٰ قرار دیا ہے۔ اس پیچیدگی کی بنا پر مجرم کے بچ نکلنے کا امکان بھی بڑھ جاتا ہے۔ اس سلسلے میں امان اللہ بلوچ ایڈوکیٹ کا عدالتوں کا عملی تجربہ ملاحظہ فرمائیے:

''ہماری ایک ثقافت ہے، ہوسکتا ہے برگر خاندانوں سے تعلق رکھنے والی چند خواتین اتنی بے باک ہوں کہ اپنا بیان نارمل طریقے سے دے پائیں مگر ہمارے معاشرے کی ۹ء۹۹ فیصد خواتین کی بالکل الگ سوچ ہے۔ وہ اپنی روایات اور ثقافت کی پاسداری کرنے والی اور شرم وحیا کی پیکر ہوتی ہیں۔ ان کے لئے مردوں سے بھرے عدالتی چیمبر میں اور چار چار وکیلوں کی موجودگی میں اس ظلم کی باریکیاں بیان کرنا کسی پہاڑ سے ٹکرانے سے زیادہ مشکل امر ہے۔''

(کتابچہ 'حدود قوانین اور این جی اوز' مرتب ڈاکٹر عبداللہ خان: ص۱۲)

زنا کی شہادت میں فعل زنا کو اپنی آنکھوں سے دیکھنا ضروری ہے، وگرنہ گواہ پر تہمت کی سزا عائد ہوگی جیسا کہ حضرت عمرؓ نے مغیرہؓ بن شعبہ کے واقعہ میں اسی بنا پر حدِ قذف لگائی۔ یہی وجہ ہے کہ حدود میں عورت کی گواہی کی راہ اختیار نہیں کی گئی اور یہی وجہ مسلم فقہا نے ذکر کی ہے کہ

تقع في جو قذر مخز لا تتمكن المرأة غالبًا فيه من الاستعداد لتحمل الشهادة كما يقع في جريمتي الزنا واللواط حيث يشترط في الشهادة رؤية الميل في المُكحلة (شهادة المرأة في الفقه از ڈاکٹر عبداللہ مطلق: ص ٦٦)

''گواہیاں ایسے مکدر اور شرمناک ماحول میں ہوتی ہیں جہاں خواتین کا عملِ زنا کی گواہی دینے کا امکان باقی نہیں رہتا۔ جیسے کہ زنا اور لواطت کے جرائم کا تعلق ہے کیونکہ ان کی گواہی میں سرمہ والی لکڑی (سرمچو) کا سرمہ دانی میں داخل ہونے کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے کی شہادت دینا ضروری ہے۔'' (ناشر کتاب: دار المسلم، ریاض)

☜ پھر یہ بھی واضح رہنا چاہیے کہ گواہی کوئی حق نہیں بلکہ ایک ذمہ داری ہے۔ حق تو وہ ہے جس کا فائدہ اپنی ذات کو پہنچے اور ذمہ داری وہ جس کو ادا کرکے دوسروں کو فائدہ پہنچایا جائے۔ غور طلب امر یہ ہے کہ گواہی دینے والی عورت کو گواہی دے کر کیا فائدہ پہنچتا ہے۔ ممکن ہے کہ مغرب میں جہاں جدید تحریکِ نسواں کے بعد بعض تجدد پسند عورتیں مل کر اپنے آپ کو ایک مجسم اکائی خیال کرتی ہوں اور اپنے بالمقابل مردوں کو ایک جنس ظالم باور کرکے ایک اکائی بتاتی

© rasailojaraid.com

ہوں لیکن اسلامی معاشرے الحمدللہ ابھی تک اس صنفی کشمکش اور تناؤ سے آزاد ہیں۔

جبکہ پاکستان میں عدالتوں کی موجودہ صورتحال اور سماعت کی طوالت کے باعث یہ ذمہ داری تو کوئی مرد بھی ادا کرنے کے لئے آمادہ نہیں◉ کجا یہ کہ اسے عورتوں پر بھی عائد کردیا جائے۔

❁ یہ تو اس الٰہی حکم کی توجیہات ہیں، وگرنہ مؤمن مرد وزن کے لئے قرآن اور فرامین نبویؐ بہت کافی ہیں، قرآنِ کریم میں زنا کے سلسلے میں صرف مرد گواہوں کا تین بار تذکرہ ہوا ہے:

﴿وَالّٰتِي يَأْتِيْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَائِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَيْهِنَّ أَرْبَعَةً مِّنْكُمْ﴾

''جو عورتیں فحاشی کا ارتکاب کریں تو ان پر چار گواہ پیش کرو۔'' (النساء:۱۵)

﴿وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوْا عَلَيْهِ بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ﴾ (النور:۴)

''وہ لوگ جو پاکدامن عورتوں پر الزام تراشی کرتے ہیں اور چار گواہ بھی پیش نہیں کرتے......''

اور عدد معدود کے مسلمہ عربی قاعدے کی رو سے ۳ سے ۱۰ تک کا 'اسم عدد' اگر مؤنث ہو تو معدود لازماً مذکر ہوگا، چنانچہ سورۃ النور کی آیت میں أربعة شهداء میں أربعة مؤنث ہے لہٰذا اس سے مذکر گواہ ہی مراد ہوں گے۔ ایسے ہی سورۃ البقرۃ کی آیت أربعة منكم میں بھی أربعة اور منكم ہردو سے یہی دلیل ملتی ہے اور اسی مفہوم پر مفسرین کا اتفاق☆ ہے۔

◉ اس سلسلے میں احادیثِ نبویہؐ میں ہے کہ ہلال بن اُمیہؓ نے شریک بن سحماء پر اپنی بیوی سے زنا کاری کا الزام لگایا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«أربعة شهداء وإلا فحد في ظهرك» (سنن نسائی:۳۴۶۹' صحیح)

''چار گواہ لاؤ، وگرنہ تیری پیٹھ پر (تہمت کی) حد لگے گی۔''

✳ سعد بن عبادہؓ سے مروی ہے کہ اگر میں اپنی بیوی کے ساتھ کسی کو زنا کرتا پاؤں تو کیا میں اس کو مہلت دوں حتی آتي بأربعة شهداء فقال رسول الله: نعم (مسلم:۱۴۹۸)

''حتیٰ کہ میں چار مرد گواہ لاؤں؟ تو نبی کریم ﷺ نے جواب دیا: ہاں۔''

✳ اس بارے میں خلفاے راشدینؓ اور تابعینؒ کے فرامین وواقعات ملاحظہ فرمائیں، مثلاً

◉ گواہی ایک ذمہ داری ہے۔ چونکہ لوگ اس سے گریز کرتے ہیں، اسی لئے اس کی ترغیب پر یہ فرمانِ نبویؐ بھی موجود ہے: ''بہترین گواہ وہ ہے جو طلب کرنے سے پہلے ہی گواہی کے لئے چلا آئے۔'' (مسلم:۱۷۱۹)

☆ 'مسئلہ شہادتِ نسواں اور غامدی نظریات' از حافظ صلاح الدین یوسف (محدث: جنوری ۱۹۹۲ء، ص ۹۶)

www.KitaboSunnat.com

مضت السنة من رسول الله ﷺ والخليفتين من بعده : أن لا تجوز شهادة النساء في الحدود (مصنف ابن ابی شیبہ: رقم: ۲۸۷۱۴، ولاية المرأة حواشی برصفحہ: ۲۶۳)

''دورِ نبویؐ اور دونوں خلفا کے دور میں یہ سنت چلی آتی ہے کہ حدود میں عورتوں کی گواہی درست نہیں۔''

✳ حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ لا تجوز شهادة النساء في الطلاق والنكاح والحدود والدماء (مصنف عبدالرزاق: ۱۵۴۰۵)

''طلاق ونکاح، حدود اور قتل وغیرہ میں عورتوں کی گواہی از روئے شرع جائز نہیں۔''

✳ شعبیؒ اور اعمشؒ کہتے ہیں کہ لا تجوز شهادة النساء في الحدود

''حدود کے سلسلے میں عورتوں کی گواہی قابل قبول نہیں۔'' (مصنف عبدالرزاق: ۱۳۳۷۵،۷۴)

✳ قتادہؒ کے پاس ایک واقعہ زنا میں ۶ عورتوں اور ایک مرد نے گواہی دی تو فرمایا:

لا تجوز شهادة النساء في حد (مصنف عبدالرزاق: ۱۳۳۷۳)

''حدود میں عورتوں کی گواہی جائز نہیں ہے۔''

مصنف عبدالرزاق میں ان واقعات کے ساتھ مزید کئی واقعات اور فرامین بھی موجود ہیں، تفصیل کے لئے اس کا مطالعہ مفید ہوگا، پھر دورِ نبوی یا خلافتِ راشدہ میں ایسی کوئی مثال نہیں ملتی کہ خواتین کو گواہی کے لئے طلب کیا گیا ہو۔

◉ مسلم علما وفقہا کا موقف بھی ملاحظہ فرمائیں: (المغنی: ۱۲۵/۱۴)

أجمع المسلمون على أنه لا تقبل في الزنا أقل من أربعة شهود

''مسلم علما کا اس امر پر اجماع ہے کہ زنا میں چار سے کم مردوں کی گواہی قابل قبول نہیں۔''

✳ حکومتِ کویت کے زیرنگرانی تیار کردہ مشہور فقہی انسائیکلوپیڈیا میں ہے کہ

ولا تقبل شهادة النساء في الزنا بحال لأن لفظ الأربعة اسم لعدد المذكورين ويقتضى أن يكتفي به بأربعة ولا خلاف في أن الأربعة إذا كان بعضهم نساء لا يكتفى بهم ...... وقال ابن عابدين: لامدخل لشهادة النساء في الحدود (الموسوعة الفقهية: ۳۷/۲۴)

''حد زنا میں عورتوں کی گواہی کسی صورت بھی قابل قبول نہیں کیونکہ أربعة سے چار مردوں کا ہی تعین ہوتا ہے (یہ مذکر کے لئے اسم عدد ہے) جس کا تقاضا یہ ہے کہ چار مرد ہی کفایت کریں

گے، اس امر میں کوئی اختلاف نہیں کہ اگر چار میں سے بعض عورتیں ہوں تو یہ گواہی کافی نہیں ہوگی۔ حنفی فقیہ قاضی ابن عابدینؒ کا قول ہے کہ عورتوں کی گواہی کا حدود میں کوئی کام نہیں۔''

ان شرعی نصوص، اجماع اور علما کے اقوال سے پتہ چلتا ہے کہ یہ شریعتِ اسلامیہ کا واضح حکم ہے۔ اس کی حکمتوں کی جستجو تو کی جاسکتی ہے لیکن اس سے انکار کرنا کسی مسلمان کے لئے روا نہیں۔ جو لوگ اسے عورتوں کے خلاف امتیازی قانون سمجھتے ہیں، اُنہیں اس نصابِ شہادت کو چار سے کم مسلمان مردوں کے لئے بھی امتیازی سمجھنا چاہئے کیونکہ شریعت کی نظر میں وقوعہ تو دو گواہوں سے ثابت ہوجاتا ہے لیکن حضرت عمرؓ نے مغیرہؓ بن شعبہ پر زنا کی تہمت کے ایک واقعہ میں تین گواہوں پر حد قذف جاری کی تھی☆۔ اس لئے یہاں اصل مسئلہ صنفی امتیاز کا نہیں بلکہ اللہ کے طے کردہ اور قرآن میں ذکر کردہ نصابِ شہادت کا ہے۔ البتہ بعض ایسے حالات جن میں وقوعہ کے وقت صرف عورتیں ہی موجود ہوں تو بعض مسلم علما مثلاً علامہ ابن حزمؒ نے بامر مجبوری آٹھ عورتوں کی گواہی کو حد زنا کے لئے کافی نصاب قرار دیا ہے۔ ان کے موقف اور دلائل کے لئے درج ذیل مراجع کی طرف رجوع مفید ہوگا۔

(المُحلّٰی: ۹/۳۹۷ تا ۴۰۳، ۸/۴۷۶، ۴۸۸، المُغنی: ۹/۱۴۸، طرق الحکمیة: ۱۷۹)

ان تفصیلات سے پتہ چلتا ہے کہ عورتوں کی گواہی کے سلسلے میں بھی حکومت کی مجوزہ ترمیم قرآن وسنت سے متصادم اور حدود اللہ میں تحریف کی ایک کوشش ہے جسے تعجب ہے کہ حدود قوانین میں شریعت کے نام پر ہی محض آزاد خیال عورتوں کی تائید حاصل کرنے کے لئے داخل کیا جارہا ہے۔ لیکن اس تکلف کا کوئی فائدہ نہیں، کیونکہ ایسی خواتین تو ویسے ہی حدود اللہ کو وحشیانہ اور ظالمانہ قرار دیتی ہیں۔ ایسی این جی اوز میں کام کرنے والے ایک فرد امان اللہ بلوچ کی زبانی اندرونی شہادت سنئے:

''ان خواتین تنظیموں اور ٹی وی چینلوں سے یہ سوال پوچھا جائے کہ اگر یہ ترمیم ہو بھی جائے اور چار خواتین کی گواہی پر حد لاگو ہو تو کیا وہ حدود آرڈیننس کو تسلیم کرلیں گے۔ ہرگز نہیں، تمام

☆ حضرت عمرؓ کے سامنے مغیرہؓ بن شعبہ پر زنا کا الزام لگایا گیا اور تین شخصوں نے گواہی دی: ابوبکرہ، نافع اور شبل بن معبد مگر چوتھے شخص زیاد بن ابیہ نے وقوعہ کی عملی تفصیلات کی گواہی نہ دی تو عمرؓ نے تینوں پر حد قذف جاری کی۔ (بخاری تعلیقاً قبل حدیث ۲۶۴۸، ابن ابی شیبہ: ۲۸۸۲۴، إرواء الغلیل: ۹/۲۶۷۹)

© rasailojaraid.com

حدود آرڈیننس میں صرف اس ایک شق پر اعتراض کیا جاتا ہے۔'' (انٹرویو، ص ۳۲)

زنا بالجبر میں عورت کی گواہی

☜ شہادتِ نسواں کے حوالے سے ترمیم پر بحث کے خاتمے سے قبل ان اعتراضات کو بھی ایک نظر دیکھ لینا مفید ہوگا جو میڈیا پر زنا بالجبر کے سلسلے میں خواتین کی گواہی کے حوالے سے تسلسل سے دہرائے جاتے رہے ہیں، مثلاً

❶ حدود قوانین کا زنا بالجبر کی صورت میں چار گواہوں کا تقاضا عملاً ممکن نہیں ہے کیونکہ زنا بالجبر عموماً اکیلے ہوتا ہے، چند افراد کی موجودگی میں جبری زنا کا امکان ہی باقی نہیں رہتا۔

اوّل تو یہ دعویٰ حدود قوانین پر محض الزام ہے کیونکہ حدود قوانین نے زنا بالجبر کے لئے چار گواہ ضروری ہی قرار نہیں دیے، ان قوانین میں زنا☆ بالرضا اور زنا بالجبر کی سزا تعزیری ہے جس میں عام گواہیاں ویسے ہی قابل قبول ہیں۔ چار گواہوں کی ضرورت تو زنا کی شرعی سزا میں ہے اور شرعی سزا میں زنا بالجبر کو بحث میں ہی نہیں لایا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ وفاقی شرعی عدالت کے کئی فیصلے موجود ہیں، جن میں زنا بالجبر کیلئے چار گواہوں کی ضرورت کو اضافی قرار دیا گیا ہے، مثلاً

① قانونِ شہادت ۱۹۸۴ کے آرٹیکل ۱۷ کی ذیلی دفعہ '۲ بی' میں صراحت کی گئی ہے کہ

''حد زنا کے نفاذ سے قطع نظر، زنا کے مقدمے میں عدالت ایک مرد یا ایک عورت کی گواہی پر تعزیری سزا دے سکتی ہے۔ (یاد رہے کہ یہ سزا ۱۰ سے ۲۵ سال قید با مشقت اور جرمانہ ہے)''

جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ ۱۰ سال سزا زنا بالرضا کی ہے اور ۲۵ سال زنا بالجبر کی ہے، تو گویا قانونِ شہادت کی یہ دفعہ دونوں کو شامل ہے۔

② عدالت کو یہ بھی اختیارات حاصل ہیں کہ وہ اگر مناسب سمجھے تو جرمِ زنا کے اثبات کے لئے گواہوں کی تعداد اور اہلیت کے متعلق بھی فیصلہ کرے۔ عدالتِ عالیہ نے ایک مقدمہ میں اس اُصول کی حسبِ ذیل الفاظ میں صراحت کی ہے:

''قرآن وسنت کے ساتھ ساتھ مقدمہ کے حالات و واقعات کے پیش نظر گواہوں کی تعداد اور

☆ جیسا کہ ہم ذکر کر چکے ہیں کہ حدود قوانین میں زنا کی یہ دو قسمیں (زنا بالرضا اور زنا بالجبر) حدود اللہ کی بجائے تعزیراً مقرر کی گئی ہیں۔ اور شرعاً محتاط رویہ یہی ہے کہ انہیں زنا سے موسوم کرنے کی بجائے مبادیاتِ زنا یا فحاشی وسیاہ کاری وغیرہ سے موسوم کیا جائے اور عدالتی فیصلوں وغیرہ میں بھی یہ لفظ اسی مفہوم میں سمجھا جائے۔

© rasailojaraid.com

اہلیت کے تعین کا اختیار عدالت کو حاصل ہے۔'' (۱۹۹۲ء پاکستان کریمنل لاء جرنل صفحہ ۱۵۲۰)
واضح ہے کہ حدود قوانین کے تحت تعزیری سزاؤں کیلئے ہی عدالت کو یہ اختیار حاصل ہے۔

③ سپریم کورٹ، آزاد کشمیر نے قصاص اور زنا کے مقدمات میں عورت کی گواہی کے حوالے سے مندرجہ ذیل اُصول بیان کیا:

''قصاص اور نفاذِ حدود کے مقدمات میں بھی چار مرد گواہوں کی شہادت کے بعد مزید شہادت کے لئے عورتوں کی گواہی میں کوئی امر مانع نہیں ہے۔''

(پی ایل ڈی ۱۹۷۹ء سپریم کورٹ، آزاد جموں کشمیر: صفحہ ۵۶)

اس فیصلے سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اگر خواتین یہ محسوس کریں کہ حد زنا کے کسی مقدمہ میں چار مرد گواہ غلط بیانی سے کام لے رہے ہیں یا درست گواہی نہیں دے رہے ہیں تو واقعہ کی چشم دید گواہ عورتیں بھی عدالت کے روبرو گواہی دے سکتی ہیں۔ اور اصل حقائق کو عدالت کے علم میں لانے کا حق رکھتی ہیں۔

④ ۱۹۷۹ء میں زنا بالجبر کے ایک مقدمے کا فیصلہ تحریر کرتے ہوئے کراچی ہائی کورٹ نے صرف ایک مظلومہ عورت کے بیان کو کافی گردانا اور قرار دیا کہ

''زنا بالجبر کے کیس میں مقدمہ کے حالات و واقعات کے پیش نظر زیادتی کا شکار ہونے والی عورت کے بیان پر ملزم کو سزا دی جاسکتی ہے۔'' (پی ایل ڈی ۱۹۷۹ء کراچی، صفحہ ۱۴۷)

چنانچہ جن لوگوں کو حدود اللہ ویسے ہی ظالمانہ نظر آتی ہیں، وہ محض اعتراض کرنے کے لئے چار مرد گواہ کی شق کو سامنے لے آتے ہیں، وگرنہ یہ چار مرد گواہ زنا بالجبر کی سزا کے لئے سرے سے ضروری ہی نہیں بلکہ یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ حدود قوانین میں تعزیرات پر عورت کو گواہی کے حق سے محروم نہیں کیا گیا ہے بلکہ ان قوانین کے توسط سے ایک عورت کی گواہی پر مجرم کو سابقہ قانون کی نسبت دوگنا زیادہ سزا کے مواقع میسر آ گئے ہیں۔

☜ جہاں تک اس دعویٰ کا تعلق ہے کہ زنا بالجبر میں ایک سے زیادہ گواہ ملتے نہیں تو یہ بھی محض خام خیالی ہے۔ کیونکہ بعض اوقات زنا کے آخری مراحل میں بعض افراد کو علم ہوتا ہے اور فعل زنا واقع ہو چکا ہوتا ہے، ایسی صورت میں وہ لوگ جبری زنا کی گواہی تو دے سکتے ہیں لیکن اس کو روکنے پر قادر نہیں ہوتے کیونکہ وہ واقعہ ہو چکا۔ یہ صورت اکثر تب پیش آتی ہے جب

www.KitaboSunnat.com

خاتون کو تلاش کرتے یا اس کی پکار سنتے ہوئے چند لوگ تاخیر سے پہنچیں۔

کسی خاندان سے دیرینہ دشمنی کا بدلہ لینے یا اس کی عزت خاک میں ملانے کے لئے بعض اوقات کچھ شیطان صفت لوگ اسلحہ کے زور پر زنا کا ارتکاب کرتے ہیں اور لوگ اُنہیں روکنے پر قدرت نہیں رکھتے۔ بعض اوقات ڈاکو بھی ایسی وارداتیں کرتے ہیں کہ اہل خانہ کو زنا سے روکنے کی مجال نہیں ہوتی بلکہ پاکستان کے قبائلی نظام میں بعض جرگے بھی متاثرہ فریق کو زنا کی اجازت دے کر اپنے سامنے ایسے ظالمانہ فیصلے پر عمل کرواتے ہیں۔ اس لئے یہ دعویٰ بھی درست نہیں کہ زنا بالجبر میں چار گواہوں کا ملنا ناممکن ہے۔

❷ یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ کوئی عورت اپنے آپ پر زنا بالجبر کا مقدمہ لے کر جاتی ہے تو اسے کہا جاتا ہے کہ تم اپنی بریت پر چار گواہ پیش کرو، وگرنہ خود سزا بھگتو۔

حدود قوانین میں تو ایسی کوئی شق موجود نہیں، اسی لئے شرعی عدالت کے فیصلے یا سزا سنانے کے مرحلے میں بھی کبھی اس کا اتفاق نہیں ہوا، جسٹس تقی عثمانی اپنے کتابچہ میں لکھتے ہیں کہ

''ایسے کیسوں کی سترہ سالہ سماعت کے دوران مجھے کوئی ایسا کیس یاد نہیں جس میں کوئی عورت زنا بالجبر کی شکایت لائی ہو اور مرد کو چھوڑ کر خود اسے زنا بالرضا کی سزا سنادی گئی ہو۔'' (ص ۱۹)

البتہ پولیس کی دھاندلی یا عدمِ تربیت کے نتیجہ میں اس کا امکان بعید از قیاس نہیں۔ اس کے لئے حدود قوانین کی بجائے پولیس کی اصلاح اور تربیت ضروری ہے۔ وفاقی شرعی عدالت نے بھی اپنے ایک فیصلہ میں یہ قرار دیا کہ

''اگر کسی عورت کو زنا پر مجبور کیا جائے تو اس جرم کے سرزد ہونے کے بعد زیادتی کی شکار عورت کو کسی طرح کی سزا نہیں دی جاسکتی۔ چاہے وہ حد ہو یا تعزیر، البتہ دوسرا فریق جو زیادتی کا مرتکب ہوا ہے، وہ نفاذ یا تعزیری سزا کا مستحق ہے۔'' (پی ایل ڈی، ۲۰۰۲، FSC، صفحہ۱)

جہاں تک اسلام کا تعلق ہے تو اسلام نے تو عورت پر جبر کی صورت میں متاثرہ عورت کی بریت کے لئے محض اس کے بیان اور قرائن کی شرط لگائی ہے اور جبر ثابت ہونے کی صورت میں ظالم پر مہر مثل کی ادائیگی یا ایک تہائی دیت اور قاضی کو عورت کی دل جوئی کی ہدایت کی ہے جس کی تفصیل پیچھے صفحہ نمبر ۸ کے حاشیہ میں گزر چکی ہے۔

❸ یہ بھی اعتراض کیا جاتا ہے کہ اگر زنا بالجبر میں متاثرہ عورت اپنی بریت سے بڑھ کر

www.KitaboSunnat.com

© rasailojarâid.com

ظالم مرد کو سزا دلوانا چاہتی ہو تو اس کی گواہی کو حدود قوانین میں کوئی وقعت نہیں دی جاتی۔

دراصل عورت سے جبری زنا ایسی زیادتی ہے جس پر ہر غیرت مند مسلمان متاثرہ عورت سے شدید ہمدردی محسوس کرتا ہے۔ ہمدردی اور غمخواری اپنی جگہ لیکن عدل وانصاف کے فیصلے جذبات سے ہٹ کر واضح میزان پر ہی کئے جاتے ہیں۔ جس طرح کسی بھی جرم میں محض ایک متاثرہ شخص کا ملزم پر محض دعویٰ کر دینا کافی نہیں بلکہ اسے قانونی تقاضے بھی پورے کرنا ہوتے ہیں، ایسے ہی یہاں بھی توازن کا دامن نہیں چھوٹنا چاہئے۔ یہ درست ہے کہ جبری زنا کی شکار عورت ہوتی ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ محض عورت کے بیان کو ہی میزانِ عدل قرار دے لیا جائے۔ متعدد واقعات ایسے ملتے ہیں جن میں عورت محض مرد کو بدنام کرنے کی غرض سے اس پر ایسا الزام لگا دیتی ہے۔ جیسا کہ ایسا ہی ایک واقعہ نبی ﷺ نے ذکر فرمایا:

''بنی اسرائیل میں جُریج نامی ایک نیک آدمی نے ایک بار ماں کی بات نہ مانی تو اس کی ماں نے اسے بدنامی کی بددعا دی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک روز ایک عورت نے اسے بدکاری کی دعوت دی، اس نے انکار کیا تو اس عورت نے ایک چرواہے سے بدکاری کر کے پیدا ہونے والے بچے کو جریج کے نام مڑھ دیا۔ لوگوں نے یہ صورتحال دیکھ کر اس کی عبادت گاہ توڑ دی اور اس کو خوب بدنام کیا۔ تب جریج نے نماز پڑھ کر اللہ سے اپنی صفائی کی دعا کی، تو اللہ نے اس پیدا ہونے والے بچے کو بولنے کی صلاحیت دے دی اور اس نے کہا کہ ''میرا باپ تو فلاں چرواہا ہے۔'' یہ بچہ ان تین بچوں میں سے ایک تھا جنہوں نے گود میں بولنا شروع کر دیا، دوسرے حضرت عیسیٰ ہیں۔'' مختصراً (صحیح بخاری: ۳۴۳۶،۲۴۸۲)

مسلم فقیہ محمد فاسی مالکی لکھتے ہیں کہ کوئی عورت اگر یہ دعویٰ کرے کہ اس سے زنا بالجبر ہوا ہے، اور اس کے پاس کوئی گواہ نہ ہو تو اس صورت میں دیکھا جائے گا کہ

أن تدعي ذلك على رجل صالح لا يليق به ذلك وهي غير متعلقة به فهذا لا خلاف أنه لا شيء على الرجل وإنما تحد له حد القاذف وحد الزنا إن ظهر بها حمل (الاتقان والإحکام:۲/۲۶۱)

''اگر تو جس پر الزام لگایا جا رہا ہے، وہ نیک شخص ہو اور ایسا فعل بد اس کے لائق نہ ہو اور اس عورت کا اس سے کوئی تعلق بھی نہ ہو تو سب کا اس امر پر اتفاق ہے کہ اس آدمی کو کوئی سزا نہیں

© rasailojaraid.com

دی جائے گی، اور اس عورت پر حد تہمت لگے گی، اور اگر اسے حمل ہو جائے تو پھر اس عورت پر حد زنا بھی جاری ہوگی۔'' پتہ چلا کہ زنا بالجبر میں اکیلی عورت کا بیان کافی نہیں ہے۔

☜ اگر اس مرحلہ پر کسی عورت کا اکیلا بیان ہی مرد کو زانی ثابت کرنے کے لئے کافی ہو تو اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ زنا کے تمام جرائم کا فیصلہ ہر وقت عورت کے ہاتھ میں رہے گا۔ اس بنا پر عورت کا زنا کے الزام میں سزا پانا بھی ناممکن ہو جائے گا باوجود اس کے کہ اس نے رضامندی سے بدکاری کا ارتکاب کیا ہو۔ عورت جب چاہے گی تو اس کو زنا بالجبر قرار دے کر اپنے آپ کو تو بری کرا لے گی لیکن مرد کو زنا کی سنگین سزا سے دوچار کردے گی۔ زنا بالجبر میں اس پہلو کے حوالے سے قانون سازی کا نتیجہ یہی نکلے گا کہ زنا کی سزا عورت کے رحم وکرم پر ہو جائے گی۔ چنانچہ اسی حوالے سے قانون کے غلط استعمال کی نشاندہی امریکی سکالر نے بھی کی ہے:

''جن عورتوں کو دفعہ ۱۰ (۲) کے تحت (زنا بالرضا کے جرم میں) سزایاب ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے، وہ اپنے مبینہ شریکِ جرم کے خلاف دفعہ ۱۰(۳) کے تحت (زنا بالجبر) کا الزام لے کر آجاتی ہیں۔ فیڈرل شریعت کورٹ کو چونکہ ایسا کوئی قرینہ نہیں ملتا جو زنا بالجبر کے الزام کو ثابت کر سکے، اس لئے وہ مرد ملزم کو زنا بالرضا کی سزا دے دیتا ہے اور عورت شک کے فائدے کی بنا پر ہر غلط کاری کی سزا سے چھوٹ جاتی ہے۔'' ('پاکستان میں عورتوں کی صورتحال': ص ۴۷)

ان واقعاتی حقائق کو نظر انداز کرکے صرف مرد کو صنفِ ظالم سمجھ کر عورت کے حق میں قانون سازی بذاتِ خود صنفی امتیاز کا مظہر ہوگا۔ تحریکِ نسواں کی پروردہ خواتین عورتوں کو یہ حق دلا کر زنا کے سارے واقعات کا تمام ملبہ ایک طرف تو صرف مردوں پر گرانا چاہتی ہیں اور دوسری طرف عورت کی سزا کو عملاً معطل کرکے مردوں کو ہر وقت اپنے رحم وکرم پر رکھنا چاہتی ہیں۔

☜ بعض لوگوں نے گذشتہ صفحات میں نماز کے لئے جانے والی عورت سے زنا بالجبر کے واقعے سے یہ استدلال کیا ہے کہ جبر کی صورت میں اکیلی عورت کا بیان کافی سمجھا جائے گا۔ (مناسب ہوگا کہ اس واقعے پر بحث سے قبل اصل حدیث کا مطالعہ دوبارہ صفحہ ۱۱ سے کرلیا جائے)

① بعض علما کے نزدیک یہ حدیث ہی مستند نہیں بلکہ اس کے راویوں میں ضعف اور متن میں اضطراب پایا جاتا ہے جیسا کہ حافظ ابن حزمؒ کا دعویٰ ہے۔

② علامہ البانیؒ کا موقف یہ ہے کہ اس واقعہ میں رجم کا حکم دینا ثابت شدہ نہیں:

© rasaileJaraid.com

'حسن' دون قوله ارجموه والأرجح أنه لم يُرجم (سنن ابوداود:۴۳۷۹ 'صحیح')

''یہ حدیث حسن (مقبول) ہے سوائے رجم کے حکم کے (جو ثابت شدہ نہیں ہے) راجح بات یہی ہے کہ اسے رجم نہیں کیا گیا۔'' (مزید تفصیل: السلسلة الصحيحة از شیخ البانی: رقم ۹۰۰)

حافظ ابن قیمؒ نے بھی رجم کے حکم کو راوی کا تصرف قرار دیا ہے۔ (الطرق الحكمية :۸۴)

③ سنن ابوداؤد کی شرح عون المعبود کے شارح اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں:

ولا يخفى أنه بظاهره مشكل إذ لا يستقيم الأمر بالرجم من غير إقرار ولا بينة وقول المرأة لا يصلح بينة بل هي التي تستحق أن تُحد حد القذف فلعل المراد: فلما قارب أن يأمر به وذلك قاله الراوي نظرًا إلى ظاهر الأمر ...... والإمام اشتغل بالتفتيش عن حاله . (ج۱۲/ص۲۸)

''ظاہر ہے کہ یہ ایک پیچیدہ حدیث ہے کیونکہ رجم تو اعتراف یا گواہیوں کے بغیر ثابت نہیں ہوتا۔ اور عورت کا محض کہہ دینا کافی گواہی نہیں ہے بلکہ چاہئے تو یہ تھا کہ اس بنا پر عورت کو حد قذف لگائی جاتی۔ شاید اس سے مراد یہ ہو کہ ابھی آپؐ حکم سنانے ہی والے تھے اور راوی نے ظاہری حالات کے پیش نظر یہ بات از خود روایت کردی ہے، حالانکہ اس دوران حاکم ابھی تفتیشی مراحل میں ہی مشغول تھا۔''

بالفرض رجم کا حکم ثابت ہو بھی ہو جائے تو اس واقعہ کی مکمل تفصیلات جو مسند احمد اور سنن بیہقی وغیرہ میں ذکر ہوئی ہیں، سے بھی یہی پتہ چلتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کا اس واقعہ میں رجم کا حکم سنانا ایک تفتیشی مرحلہ ہی تھا کہ آپ نے ایک عورت کی شکایت پر الزامات کی تحقیق شروع کردی لیکن آخر کار اس واقعہ میں کسی شخص کو بھی رجم کی سزا دی نہیں دی گئی۔ (سنن بیہقی: ۸/۲۸۴)

نبی کریم ﷺ کا رجم کا یہ حکم اس واقعہ کے مشابہ ہے جب حضرت سلیمانؑ نے دو عورتوں کے درمیان بچے کا فیصلہ کرنے کے لئے بچے کو کاٹنے کا حکم سنایا تھا لیکن اس کو کاٹا نہیں تھا۔

④ بفرضِ محال اگر رجم کا حکم دینا مان بھی لیا جائے تو اس کی وجہ محض ایک عورت کے الزام کی بجائے دراصل ملزم کی خاموشی یعنی اعتراف ہے، وگرنہ اس کے انکار کرنے کا احادیث میں تذکرہ ملنا چاہئے۔ حافظ ابن قیم اعلام الموقعین میں فرماتے ہیں:

فإن قيل: كيف أَمر برجم البريء؟ قيل: لو أنكر لم يَرجمه ولكن لما أُخذ

© fasalojarafi.com

وقالت هو هذا ولم يُنكر ولم يَحتج عن نفسه فاتفق مجيء القوم به في صورة المريب وقول المرأة هذا هو وسكوته سكوت المريب (ج٦ص٢٣)

''اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ پھر ایک بری شخص کے رجم کا حکم کیوں دیا گیا؟ تو کہا جائے گا: اگر وہ انکار کرتا تو اسکے رجم کا حکم نہ دیا جاتا۔ لیکن جب اسے پکڑا گیا اور عورت نے بھی کہہ دیا کہ یہی ہے وہ اور اس نے انکار بھی نہیں کیا اور اپنے بارے میں کوئی حیل وحجت بھی نہیں کی پھر تمام لوگوں کا اسے مشکوک حالت میں پکڑ کر لانا، اس کے بعد عورت کا اسے متعین کردینا اور اس پر اس کا خاموش رہنا۔'' (یہ واقعاتی حقائق گویا اسکے اعتراف کی طرف ہی اشارہ کررہے ہیں)

الغرض ① اوّل تو اس مکمل واقعہ کی صحت ہی مشکوک ہے۔ ② پھر اس واقعہ میں رجم کی سزا کا سنایا جانا ثابت شدہ ہی نہیں۔ ③ بالفرض ثابت شدہ مان بھی لیا جائے تو یہ ایک تفتیشی مرحلہ کا بیان ہے کیونکہ زنا کا الزام چار گواہیوں کے بغیر ثابت نہیں ہوتا۔ ④ اگر کسی کو پھر بھی حکم رجم پر اصرار ہو تو اس سزا کو سنانے کی وجہ اس شخص کی الزام پر خاموشی گویا اعتراف کرنا ہے، نہ کہ محض عورت کا الزام لگا دینا۔ ⑤ اور آخر کار تمام احادیث میں یہ بات موجود ہے کہ اس کو رجم کی سزا دی نہیں گئی، بلکہ سب کو معاف کردیا گیا جس کی وجہ یہ ہے کہ زنا کی گواہیاں پوری نہ ہونے کی وجہ سے یہ کیس حدود اللہ سے نکل کر عام جرائم میں آگیا تھا، جہاں قاضی معافی دے سکتا ہے۔

زنا بالجبر کی صورت میں 'زنا' اور 'حرابہ' میں ادغام یا اشتراک؟

چونکہ زیر بحث ترامیم میں زنا بالجبر ہی خصوصی موضوع رہا ہے، اس لئے جو واقعات میڈیا پر پیش کئے جاتے رہے، ان کے بارے میں اسلام کا موقف بالاختصار واضح رہنا چاہئے:

اسلام میں زنا ایک سنگین جرم ہے اور کسی کو اعتراف یا چار گواہوں کے بغیر زنا کی سزا نہیں دی جاسکتی جیسا کہ مغیرہؓ بن شعبہ کے سلسلے میں حضرت عمرؓ کا مشہور واقعہ موجود ہے۔ البتہ زنا بالجبر ایسی صورت ہے جہاں دو جرائم باہم خلط ملط ہوجاتے ہیں، اس کی چار صورتیں بنتی ہیں جن میں پہلی تینوں صورتیں ایسی ہیں جہاں چاروں گواہیاں موجود ہیں:

① زنا بالجبر کی عام صورتوں میں زانی کو ۱۰۰ کوڑے یا سنگساری کی سزا ہی دی جائے گی، جیسے کہ آغاز میں واقعات گزر چکے ہیں۔ دیکھیں صفحہ نمبر ۱۰ پر حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کے فیصلے

© rasaleiarad.com

امام شافعیؒ فرماتے ہیں: وعلى المستكرِه حد الرجم إن كان ثيبا والجلد والنفي إن كان بكرا (الأم: ج۳/ص۲۶۴)

''جبر کرنیوالا اگر شادی شدہ ہے تو اس کی سزا سنگساری، اگر کنوارا ہے تو کوڑے اور جلاوطنی۔''

④ جہاں زنا بالجبر کے ساتھ اغوا، برہنہ کرنا یا اجتماعی زیادتی وغیرہ بھی شامل ہوجائے تو شادی شدہ کے لئے سنگساری سے بڑی مزید کسی سزا کی کوئی ضرورت ہی نہیں۔ (جو لوگ رجم کے منکر ہیں، ان کے نزدیک یہ صورت بنتی نہیں، اس لئے وہ فوراً حرابہ کی طرف لپکتے ہیں)

③ البتہ ایسی صورت میں جب کنوارا سنگین زنا بالجبر کا ارتکاب کرے تو اس پر بیک وقت دو سزائیں بھی عائد ہوسکتی ہیں: کنوارے زانی کی حد اور اس کے بعد فساد فی الارض کی تعزیر

دو سزاؤں کی جمع کرنے کی دلیل حضرت علیؓ کا یہ فیصلہ بھی ہے جو شعبی سے مروی ہے:

" أن عليًا قال لشراحة لعلك استكرهت لعل زوجك أتاك لعلك قالت: لا. قال: فلما وضعت ما في بطنها جَلَدَها ثم رجمَها فقيل له جلدتها ثم رجمتها؟ (وفي رواية: جمعت عليه حدين) قال جلدتها بكتاب الله ورجمتها بسنة رسول الله (مسند احمد: ۱۱۲۹، ۸۹۷، صحیح بخاری: ۶۸۱۲)

''حضرت علیؓ نے شراحہ سے پوچھا: شاید کہ تجھ سے زنا بالجبر ہوا ہو، شاید کہ تیرا شوہر تیرے پاس آیا ہو، شاید یہ اور یہ لیکن وہ عورت بولی: نہیں۔ سو جب اس عورت نے بچہ جن دیا جو اس کے پیٹ میں تھا تو آپ نے (جمعرات کو) اسے ۱۰۰ کوڑے مارے اور (جمعہ کو) رجم کردیا۔ آپ سے پوچھا گیا کہ آپ نے پہلے کوڑے مارے پھر رجم کردیا؟ (اور ایک روایت میں ہے کہ دو حدیں جمع کردیں؟) تو آپ نے فرمایا کہ میں نے اسے کتاب اللہ کی وجہ سے ۱۰۰ کوڑے مارے اور سنتِ رسولؐ کی وجہ سے رجم کیا۔'' (إرواء الغلیل: ۲۳۴۰ 'صحیح')

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی کا اس بارے میں موقف یہ ہے کہ

''زنا بالجبر پر شادی شدہ کے لئے تو سنگساری سے مزید سنگین کیا سزا ہوسکتی ہے؟ البتہ کنوارے کیلئے ۱۰۰ کوڑے ہی ہے۔ اور حدود قوانین کی دفعہ ۶ (۳) میں عدالت کو یہ اختیار بھی دیا گیا ہے کہ وہ جبر کی صورت میں کوئی اور سزا 'بھی' دے سکتی ہے۔'' (کتابچہ حدود قوانین: ص ۲۵)

④ زنا کی سزا تو چار گواہوں یا اعتراف کے بغیر دی نہیں جاسکتی، اب جن حالات میں

www.KitaboSunnat.com

© rasailojaraid.com

عورت کے ساتھ سنگین زیادتی کے واضح قرائن موجود ہوں اور معاشرے میں خوف وہراس پھیلا ہو لیکن چار گواہیاں موجود نہ ہوں تو ایسی صورت میں قاضی کو اختیار ہے کہ وہ معاملہ کی سنگینی کے مطابق حرابہ کی چاروں قرآنی سزاؤں میں جو بھی اختیار کرلے: مجرم کو ٹکڑے ٹکڑے کرنا، سولی چڑھانا، مخالف سمت سے ہاتھ پاؤں کاٹنا یا کم تر سزا محض جلاوطن کردینا۔ اور یہ بھی یاد رہے کہ حرابہ کی سزا (تعزیر) حدود میں شامل نہیں اور قابل معافی بھی ہے اور یہاں چار گواہوں کی ضرورت بھی نہیں بلکہ دو گواہوں یا محض قرائن سے بھی کام چل سکتا ہے۔

۲۳ راگست کو ہمدرد سنٹر میں حدود قوانین پر علما کے اجلاس کے اعلامیہ کی ایک شق یہ ہے:

> ''زنا بالرضا اور زنا بالجبر کی تقسیم کرکے زنا بالجبر کو حرابہ کے تحت داخل کرنا قرآن وسنت کی باطل تعبیر ہے۔ زنا کے لئے موجب ِحد نصابِ شہادت دستیاب نہ ہو اور اقرارِ جرم بھی نہ ہو لیکن کم تر شہادت یا قرائن قطعیہ غالبہ موجود ہوں اور قاضی کو ارتکابِ جرم کا ظن غالب یا یقین ہوجائے تو وہ مجرم کو تعزیراً انتہائی سزا بھی دے سکتا ہے۔'' مختصراً

اس تفصیل سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام کی رو سے زنا بالجبر کی سزا اور نصابِ شہادت میں عام زنا سے کوئی فرق نہیں، البتہ حالات کی سنگینی کے تحت قاضی اس میں فساد فی الارض کے جرم کو شامل کرسکتا ہے لیکن دونوں جرائم کو خلط ملط کرنے کی بجائے اُنہیں قرآنی سیاق میں ہی رہنے دیا جائے کیونکہ ہر دو نوعیت کے جرائم کے احکام، طریقہ ثبوت اور حکمتیں علیحدہ علیحدہ ہیں۔

الغرض شریعتِ اسلامیہ کے موقف اور مجوزہ ترامیم میں دو اساسی فرق ہیں:

① جرم کی بعض صورتوں میں دو تین جرائم کا ارتکاب ہوسکتا ہے مثلاً کسی واردات میں چوری اور زنا دونوں جمع ہوسکتے ہیں لیکن دونوں جرائم کی تفصیلات اپنی اپنی جگہ باقی رہتی ہیں۔ جبکہ مجوزہ ترامیم میں زنا بالجبر کو ایک مستقل جرم قرار دے کر حرابہ بنایا جارہا ہے اور اس طرح زنا کو اس نصابِ شہادت اور سزا سے نکالا جارہا ہے جو اسلام نے مقرر کی ہے۔ یہ موقف درست نہیں ۔ مولانا عبدالرحمٰن مدنی کا محدث (شمارۂ جون) میں اس پر موقف شائع ہوچکا ہے:

> ''زنا بالجبر کا جرم حرابہ سے کوئی تعلق نہیں، زنا کی سزا قرآن وسنت میں واضح طور پر بیان کردی گئی ہے، اس میں سے زنا بالجبر کو خاص کرکے حرابہ کے تحت داخل کرنے کی کوئی دلیل کتاب وسنت میں موجود نہیں، نہ خلفاے راشدین کے دور سے اس کی کوئی مثال ملتی ہے۔'' (صفحہ:۴۱)

www.KitaboSunnat.com

© rasailojaraid.com

④ اسلام کی رو سے ان دو جرائم کا اشتراک ہر زنا بالجبر میں نہیں بلکہ جہاں صورتحال میں شدت آجائے اور خوف و ہراس (فساد فی الارض) پیدا ہو، صرف وہیں ہوتا ہے۔ چونکہ مغرب میں زنا کا فلسفہ دراصل جبر کی بجائے محض عدم رضامندی کا ہے، اس لئے وہاں ہر صورتحال کی ایک ہی سزا ہے، جبکہ اسلام میں محض سنگین صورتحال میں دو جرائم لاگو ہوسکتے ہیں یا محض اکیلا جرم فساد فی الارض لاگو ہوسکتا ہے، جب چار گواہ موجود نہ ہوں۔

مثال: اوپر جو واقعہ گزرا ہے، اس میں گواہیاں پوری نہ ہونے کی بنا پر نبی کریمؐ نے اس کو حرابہ کا جرم قرار دیا اور اسی بنا پر آپؐ نے دوسرے شخص کے اعتراف کو گرفتاری سے قبل توبہ پر محمول کیا اور اس کو معاف کر کے حضرت عمرؓ کے سامنے اس کی توبہ کی تعریف کی:

”فقام رجل من الناس فقال: لا ترجموه وارجموني . أنا الذي فعلتُ بها الفعل فاعْتَرَفَ فاجتمع ثلاثة عند رسول الله ﷺ: الذي وقع عليها والذي أجابها والمرأة. فقال: أما أنتِ فقد غفر الله لكِ وقال للذي أجابها قولا حسنًا فقال عمر: ارجم الذي اعترف بالزنا . قال رسول الله ﷺ: لا، لأنه قد تاب إلى الله توبة لو تابها أهل المدينة لقُبل منهم فأرسلهم . (سنن بیہقی:۸/۲۸۵)

”لوگوں میں سے ایک شخص کھڑا ہوگیا اور اس نے کہا کہ اس کی بجائے مجھے رجم کرو۔ میں نے یہ بدکاری کی ہے، سو اس نے اعترافِ (جرم) کرلیا۔ اب نبی کریم ﷺ کے پاس ۳ لوگ موجود تھے، ایک تو (بظاہر) زانی، دوسرا جس نے اعتراف کیا اور تیسری (مظلوم) عورت۔ آپ نے فرمایا: اے عورت تو چلی جا، تجھے اللہ نے معاف کردیا۔ جس شخص نے اعتراف کیا، آپ نے اس کے لئے بھی اچھے کلمات کہے۔ حضرت عمرؓ کہنے لگے: اس کو تو رجم کریں جس نے زنا کا اعتراف کیا ہے تو آپ ﷺ نے جواب دیا: نہیں بلکہ اس نے اللہ کے ہاں توبہ کی ہے، سو آپ نے سب کو چھوڑ دیا۔“

اور مسند احمد میں اس حدیث کے راوی محمد بن عبداللہ بن زبیر بھی کہتے ہیں:

فقد صرح ابن الزبير بأن الحد لم يقم على المعترف وهو الصواب

”ابن زبیر نے اس امر کی صراحت کی ہے کہ اعتراف کرنے والے پر حد قائم نہیں کی گئی اور

© rasailojarai.com

یہی بات درست ہے۔'' (سلسلہ صحیحہ از شیخ البانی: رقم ۹۰۰)

امام بیہقی نے اپنی سنن میں بھی اس حدیث سے یہی استدلال کیا ہے، لکھتے ہیں:

فعلی هذه الرواية يحتمل أنه إنما أمر بتعزيره ويحتمل أنهم شهدوا عليه بالزنا واخطأوا في ذلك حتى قام صاحبها فاعترف بالزنا وقد وجد مثل اعترافه من ماعز والجهنية والغامدية ولم يسقط حدودهم أحاديثهم أكثر

''اس روایت کی بنا پر احتمال ہے کہ آپ نے اس پر تعزیر کا حکم لگایا ہو۔ کیونکہ امکان ہے کہ گواہوں نے زنا کی گواہی میں غلطی کھائی ہو اور اصل مجرم نے خود ہی زنا کا اعتراف کیا ہو۔ (تعزیر قرار دینے کی وجہ یہ ہے کہ) ماعز، جہنیہ، غامدیہ وغیرہ نے بھی ایسا اعتراف کیا لیکن ان کی حدود کو تو ساقط نہیں کیا گیا۔'' (سنن کبریٰ بیہقی: ۸/۲۸۵)

ممکن ہے یہاں یہ اعتراض کیا جائے کہ دوسرے ملزم کے اعتراف کے بعد اسے حرابہ (تعزیر) میں لے جانے کی ضرورت ہی نہیں رہتی بلکہ حد کے تقاضے (چار گواہ یا اعتراف) پورے ہوجاتے ہیں۔ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں دو مردوں کا اعتراف ثابت ہو رہا ہے، پہلے کا اعتراف زبانِ حال سے اور دوسرے کا زبانِ قال سے۔ ایک طرف یہ دونوں اعتراف ٹکڑا رہے ہیں تو دوسری طرف یہ بھی احتمال ہے کہ دوسرے نے محض پہلے کو بچانے کی خاطر یہ اعتراف کرلیا ہو۔ اس بنا پر شبہ پیدا ہوگیا اور شبہ میں بھی حدود ساقط ہوجاتی ہیں۔ اس لئے حرابہ کی تعزیر کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ اور تعزیر میں قبل از گرفتاری توبہ یا ﴿مَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا﴾ کے تحت اس کو بھی معاف کردیا گیا ہو۔ واللہ اعلم

تیسری ترمیم بہ سلسلہ عمر

حدود قوانین میں بالغ لڑکی پر مقدمہ بنادیا جاتا تھا اور اس عمر میں ذہنی بلوغت نہیں ہو پاتی جبکہ لڑکے کے لئے کم از کم ۱۸ سال کی عمر متعین کی گئی تھی۔ چنانچہ 'موجودہ' قانون میں لڑکے اور لڑکی دونوں کے لئے عمر کا تعین ۱۸ سال کردیا گیا ہے۔

تبصرہ: یہ ترمیم بھی عجیب ذہنیت کی عکاسی کرتی ہے۔ زنا کا تعلق ذہنی بلوغت کی بجائے جسمانی بلوغت سے ہے۔ مغربی ممالک کے اعداد وشمار پڑھیں تو آپ کو اندازہ ہوگا کہ سکول کی تعلیم کے دوران ہی کتنے بچے جنسی تعلقات قائم کرلیتے ہیں اور کتنی لڑکیاں اسی عمر میں حاملہ

© rasailojaraid.com

ہوجاتی ہیں جبکہ سکول کی تعلیم کا مرحلہ ۱۸ سال سے پہلے ہی ختم ہوجاتا ہے۔

اسلام نے جسمانی صلاحیتوں کے لئے علاماتِ بلوغ کو ہی بنیاد بنانے کو ترجیح دی ہے۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا واقعہ ہے کہ

عرضت على رسول الله يوم أحد وأنا ابن أربع عشرة فلم يجزني ولم يرني بلغتُ ثم عرضت عليه يوم الخندق وأنا ابن خمس عشرة فأجازني

"مجھے جنگ اُحد کے موقع پر نبی کریم ﷺ کے پاس لایا گیا اور اس وقت میری عمر ۱۴ برس تھی، تو آپؐ نے نہ تو مجھے اجازت دی اور نہ ہی مجھے دیکھا کہ میں بالغ ہوا ہوں؟ پھر دوبارہ مجھے جنگِ احزاب کے موقع پر لایا گیا جبکہ میری عمر ۱۵ برس ہوچکی تھی تو آپؐ نے مجھے جنگ میں شرکت کی اجازت دے دی۔" (سنن دار قطنی: ۱۱۰/۴، صحیح بخاری: ۲۶۶۴)

صحیح مسلم میں ہے کہ جب میں نے عمرؒ بن عبدالعزیز کو یہ واقعہ بتایا تو آپؒ نے فرمایا:

إن هذا لحد بين الصغير والكبير (صحیح مسلم زیر حدیث: ۱۸۶۸)

"چھوٹے اور بڑے میں یہی حد بندی ہے۔"

ازروئے اسلام جرم پر مسئولیت کا تعلق مرد وزن ہر دو کے لئے عمر کی بجائے جسمانی علاماتِ بلوغ سے جوڑنا زیادہ بہتر ہے۔ (اسلام کا فوجداری قانون از جسٹس عبدالقادر عودہؒ: ۱۲/۱/۷)

اس ترمیم پر ملکی قانون کی رو سے اعتراضات حسبِ ذیل ہیں:

① پاکستان کا عائلی قانون تو لڑکی کی شادی کی کم از کم عمر ۱۶ سال اور لڑکے کی ۱۸ سال بتاتا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ اس عمر میں لڑکی سے جنسی تعلق قائم کیا جاسکتا ہے۔ جبکہ اس ترمیم میں یہ عمر ۱۸ سال ذکر کی گئی ہے، گویا یہ ترمیم عائلی قانون سے ہی متصادم ہے۔

② مجموعہ تعزیراتِ پاکستان کی دفعہ ۸۳ کی رو سے ۷ سے ۱۲ سال کے بچے کو فوجداری مسئولیت سے مستثنیٰ کیا گیا ہے، اس سے بڑی عمر کے بچے کو یہ رعایت حاصل نہیں۔ زنا کے جرم کو ہی ایسی رعایت کیوں کہ اس کی سزا کے لئے ۱۸ سال کی شرط لگا دی جائے۔

③ اس ترمیم کو تسلیم کرلینے سے ۱۸ سال سے چھوٹے لڑکے/لڑکیوں کے جنسی تعلقات قانون کی گرفت سے باہر نکل جائیں گے۔ اس عمر میں گناہ کی کھلی چھوٹ سے جس زندگی کی عادت پیدا ہوگی، بعد میں اسے کیوں کر روکا جاسکتا ہے؟

© rasailojaraid.com

④ یہ قانونِ فطرت کے خلاف ہے جس میں لڑکیاں لڑکوں سے پہلے بالغ ہوجاتی ہیں۔ ایسے ہی لڑکے تو بلوغت کے بعد ہی جنسی فعل کی صلاحیت حاصل کرتے ہیں جبکہ لڑکیوں سے بلوغت سے قبل بھی جنسی فعل کیا جانا ممکن ہے، گو مجرمانہ ہی سہی۔ اس لحاظ سے بھی سابقہ قانون میں لڑکیوں کو قانونی دادرسی ملنا زیادہ آسان ہوجاتا ہے۔

زنا کا تعلق بنیادی طور پر ذہنی بلوغت کی بجائے جسمانی صلاحیت سے ہے جو مختلف علاقوں، موسموں اور ماحول کے نتیجے میں مختلف عمروں میں حاصل ہوتی ہے۔ اس کی ایک عمر مقرر کردینے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ بعض لڑکے جرم کی صلاحیت تو رکھیں گے، لیکن جرم کے ارتکاب کے باوجود قانون ان پر گرفت نہیں کرسکے گا۔

⑤ اس کو ذہنی بلوغت سے جوڑنے کی وجہ پر غور کریں کہ اس فعل میں کونسی ذہنی صلاحیتوں کا اظہار مقصود ہے کہ اس کو ذہنی بلوغت سے جوڑا جائے؟ صاف نظر آتا ہے کہ اس کے پس پردہ دراصل زنا کے بارے میں وہی رضامندی کا فلسفہ کارفرما ہے کہ چونکہ آج کل اس عمر سے قبل رضامندی یا عدمِ رضامندی کا اعتبار نہیں کیا جاتا، اس لئے یہ عمر مقرر کی جائے۔

❁ اس ترمیم کے ذریعے حدود آرڈیننس کی دفعہ ۵ اے میں تبدیلی مقصود ہے جس میں ہے کہ

''وہ مرد موجبِ حد ہے جو اپنی منکوحہ کے علاوہ کسی بھی بالغ یا نابالغ لڑکی سے مباشرت کرے۔''

غور کریں کہ کیا اس شق میں عورتوں کے ساتھ صنفی امتیاز برتا گیا ہے یا ان کے مفاد کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ زنا سے اصل نقصان کس کو ہے، مرد کو یا عورت کو؟ ظاہر ہے کہ کنواری لڑکی کے لئے اس کا نقصان، حمل کی ذمہ داری اور بدنامی وغیرہ کا مرد سے کوئی تقابل ہی نہیں ہے۔ اس لئے حدود قوانین میں لڑکیوں کو تحفظ دیتے ہوئے ان کے خلاف اوائل عمری میں ہی ہونے والے جنسی تشدد کو بھی قابل سزا قرار دیا گیا ہے۔ اس دفعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے قومی کمیشن برائے خواتین نے یہ تجویز کیا ہے کہ یہاں عورت کے ساتھ بالغ کا اضافہ کیا جائے۔ اگر اس ترمیم کو تسلیم کرلیا جائے تو ۱۸ سال سے کم عمر کی لڑکیوں کو حدود قوانین کا تحفظ حاصل نہیں رہے گا۔ کیا یہ تجویز دانشمندی پر مبنی ہے یا محض مرد عورت میں مساوات کی ایک مجنونانہ خواہش!

© rasailojaraid.com

چوتھی ترمیم به سلسلہ اندراجِ مقدمہ

پولیس کے پاس ایف آئی آر درج کرانے کی بجائے سیشن کورٹ کے پاس زنا کی شکایت درج ہوگی جس میں چار گواہ اور شکایت کنندہ کے بیانات موقع پر ہی درج ہوں گے۔

تبصرہ: اس ترمیم کے ذریعے یہ قانون سازی کی جارہی ہے کہ وقوعہ کی رپورٹ کے لئے بھی چار گواہ ضروری ہوں، جبکہ اسلام کی رو سے چار گواہ وقوعہ کی رپورٹ کی بجائے زنا کی سزا سنانے کے لئے ضروری ہیں، جرم کی نشاندہی تو کوئی ایک فرد بھی کرسکتا ہے۔

(دیکھیں صفحہ ۱۰ پر درج احادیث میں نشان زد الفاظ: ایک شخص اور ایک عورت)

جہاں تک موجودہ قانون کا تعلق ہے تو اس کی رو سے بھی زنا سے سنگین سزاؤں مثلاً قتل اور بغاوت کے لئے رپورٹ کا یہی طریقہ موجود ہے۔ یوں بھی کسی جرم کے لئے بھی آغاز میں تمام گواہیاں طلب نہیں کی جاتیں۔ کسی کیس میں دو مرحلے ہوتے ہیں: ایک وقوعہ کی رپورٹ کا اور دوسرا وقوعہ کے ثبوت کا جو عدالت کا کام ہے اور یہاں گواہی کی تفصیلات کے پیش نظر مجرم کو سزا سنائی جاتی ہے جبکہ پولیس کا کام محض ایف آئی آر (فرسٹ انکوائری رپورٹ) درج کرنا ہے، نہ کہ گواہوں کی جانچ پڑتال کرنا۔ مذکورہ ترمیم پر اعتراضات حسبِ ذیل ہیں:

① جب زنا سے بھی سنگین جرائم کے لئے ایسا ضروری نہیں تو پھر زنا بالرضا کے ساتھ ہی یہ امتیازی سلوک کیوں ؟ اگر پولیس رپورٹ کرنے والوں کو خراب کرتی ہے تو پولیس میجرا ایکٹ کی اصلاح کی ضرورت ہے، نہ کہ ایسی ترمیم کہ قانون پر عمل درآمد ہی ممکن نہ رہے۔

② زنا بالجبر کے لئے موجودہ قانون اور مجوزہ ترمیم میں یہ شرط نہیں رکھی گئی تو پھر زنا بالرضا کے لئے ہی یہ طریقہ کار کیوں اختیار کیا جارہا ہے؟ اس کا مقصد دراصل مدعی کو ہراساں کرنا ہے تاکہ وہ ایسا کوئی مقدمہ درج کرانے سے پہلے ہی گھبرا جائے۔ کیونکہ عدالتوں کی موجودہ صورتحال تو یہ ہے کہ آج کوئی بھی عدالتوں میں گواہی کے لئے آنے پر تیار ہی نہیں ہوتا۔

③ بنیادی طور پر رپورٹ قانون نافذ کرنے والے اداروں کے ساتھ معاونت ہے کہ اُنہیں ایک جرم کے وقوع کی نشاندہی کی جارہی ہے لیکن اس ترمیم کے ذریعے گویا زنا کے ملزموں کو تادیبی کاروائی کرنے کی بجائے سب سے پہلے رپورٹ کرنے والے کو ہی مجرم بنایا

www.KitaboSunnat.com

© rasailojaraid.com

جارہا ہے کہ وہ اس واقعہ کو ثابت کرے، وگرنہ از خود لاگو ہونے والی قذف کی سزا بھگتے جس کی سزا ایک اور ترمیم کی رو سے ۷ سال قید کی جارہی ہے۔ (روزنامہ 'جنگ': ۲۶ جولائی)

ایسے واقعات کی رپورٹ پولیس کو کرنا چاہئے، اگر پولیس کو اس سارے عمل سے نکال لیا گیا تو پھر معاشرے میں پھیلی بدکاری کی روک تھام ہی ممکن نہ رہے گی۔ اگر یہ ترمیم کردی جاتی ہے تو عملاً معاشرے میں قحبہ گری کو فروغ حاصل ہوگا، کیونکہ وہاں ہونیوالے زنا بالرضا کے خلاف خال ہی کوئی شخص سیشن کورٹ میں رپورٹ کرائے گا، اور نہ اسے چار گواہ میسر ہوں گے۔

④ یہ درست ہے کہ اس کے لئے چار گواہ ضروری ہیں، لیکن گواہ پورے نہ ہونے پر مبادیاتِ زنا کے جرم کی سزا بھی دی جاسکتی ہے، ایسی صورت میں یہ جرائم بھی قابل دست اندازی نہ رہیں گے۔ اسلام اور حدود قوانین نے اس کا حل قذف کی شکل میں پیش کیا ہے، اگر قذف کی حد عملاً جاری کردی جائے تو لوگ خود ہی الزام بازی سے رک سکتے ہیں۔

⑤ مقدمہ کے اندراج کے وقت ہی چار گواہوں کی شہادت عائد کرنے کی وجہ وہی ہے جس کا تذکرہ روزنامہ جنگ میں ۱۴/ جون کو شائع شدہ مجوزہ ترامیم کے ضمن میں کیا جاچکا ہے:

''علم اور تجربے سے ثابت ہوچکا ہے کہ زنا کو اس طرح ثابت نہیں کیا جاسکتا۔'' (مسئلہ نمبر ۸)

⑥ حدود آرڈیننس میں اس ترمیم کی اصلاً کوئی ضرورت ہی نہیں ہے کیونکہ اس سے قبل 'کریمنل لاء ترمیمی بل ۲۰۰۴ء' کی رو سے ۱۵۶ 'بی' کے تحت یہ قرار دیا جاچکا ہے کہ ''زنا کے جرم کی تفتیش سپرنٹنڈنٹ کے عہدے سے کم رتبے کا پولیس آفیسر نہیں کرے گا، نہ ہی ملزمہ عورت کو عدالت کی اجازت کے بغیر گرفتار کیا جاسکے گا۔'' دو سال قبل اس بل کی منظوری کے بعد عملاً مزید ترمیم کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔

☞ حدود آرڈیننس میں مزید بھی کئی ترامیم تجویز کی گئی ہیں جن میں ایک مالی معاملات میں مرد عورت کی برابر گواہی کے حوالے سے ترمیم ہے۔ یہ ترمیم بھی قرآنِ کریم کی واضح آیت ِمداینہ (البقرۃ: ۲۸۲) اور صریح احادیث کی کھلم کھلا خلاف ورزی ہے۔ ایسے ہی لِعان کے شرعی طریقہ میں تبدیلی، مسلم فریقین کے لئے غیر مسلم جج حضرات کی اجازت، زنا اور قذف کے علاوہ کوڑوں کی تمام سزاؤں کا خاتمہ (جن میں شراب کی سزا بھی شامل ہے، کیونکہ وہ بھی

© rasailojaraid.com

کوڑوں کی شکل میں دی جاتی ہے)۔از خود قذف کی کاروائی کا مطالبہ، ایسے ہی تہمت لگانے کے دعویٰ پر دو افراد کی شہادت کا خاتمہ اور صرف عدالت کی مطلوبہ شہادت پر اکتفا وغیرہ کی ترامیم وغیرہ۔ ان ترامیم کے رجحانات اور شرعی حیثیت بخوبی واضح ہیں، اختصار کے پیش نظر اس بحث کو یہیں پر ختم کیا جاتا ہے۔

اختتامیہ : اوپر چار ترامیم کے بارے میں اسلام کا نقطہ نظر پیش کیا گیا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ ان میں سے کوئی بھی ترمیم ایسی نہیں جسے کتاب وسنت کی روح سے ہم آہنگ قرار دیا جاسکے۔ اسلام نے جس انداز سے ان جرائم کے خاتمے کا رویہ اپنایا ہے، ان ترامیم کے ذریعے اسلام کے نام پر بنائے گئے قوانین میں بھی جرائم کے خاتمے کے لئے نہ صرف مغربی اُسلوبِ قانون اپنایا جارہا ہے بلکہ تجویز کی جانے والی سزائیں بھی خلافِ اسلام ہیں۔

سوچنے کا مقام ہے کہ حدود قوانین میں اس ترمیم کی کونسی ہنگامی ضرورت پیش آگئی اور کیا پاکستان میں یہ واحد قانون ہی ایسا ہے جس میں اصلاحات کی گنجائش ہے۔ انگریزوں کا عطا کردہ مجموعہ تعزیرات جس سے پاکستان پینل کوڈ ماخوذ ہے، کونسا مقدس صحیفہ ہے جو ہر قسم کی خطا سے پاک ہو۔ حدود قوانین میں مسائل کی بنیادی وجہ زیادہ تر پولیس کا نظام اور مروّجہ عدالتی طریقہ کار ہے جس سے مظلوم کی دادرسی انتہائی مشکل ہے۔کیا اس قانون کے تحت ملک میں ہر شخص کو عدل وانصاف مہیا ہو رہا ہے۔ اس سوال کا جواب جاننے کے لئے عدل وانصاف کے ایوانوں کا ایک طائرانہ جائزہ لینا ہی کافی ہوگا۔ سسکتی انسانیت کو انصاف حاصل کرنے کے لئے کونسے پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں، اہل نظر بخوبی جانتے ہیں۔

حدود قوانین پر ہی یہ عنایات اس لئے ہیں کہ یہی وہ قوانین ہیں جو اسلام کے نام پر نافذ کئے گئے، ان پر اعتراض کرنے والے وہی ہیں جنہیں وفاقی شرعی عدالت کا وجود بھی گوارا نہیں۔ اُنہیں اسلام کے نام پر ہر قانون میں سوخرابیاں نظر آجاتی ہیں اور ان کی ترمیم کے درپے ہوجاتے ہیں۔ ان قوانین کے بارے میں اکثر وبیشتر یہ الزام لگتا ہے کہ انہیں ایک آمر نے متعارف کرایا لیکن جنرل ایوب کے عائلی قوانین ہوں یا جنرل مشرف کی قتل غیرت یا توہین رسالت کے حوالے سے اسلام مخالف ترامیم، وہاں کوئی بھولے سے بھی آمریت کا نام تک نہیں لیتا۔ یہی وہ 'منتخب اخلاقیات' ہیں جن کا حدود قوانین کو سامنا ہے!!

© rasailojaraid.com

قانون کا بنیادی مقصد معاشرے میں عدل وانصاف اور امن وامان کا قیام ہے۔ اللہ کی عطا کردہ یہ حدود ہمیشہ سے مسلم معاشروں میں امن کی ضامن رہی ہیں اور آج بھی دنیا کی واحد ریاست سعودی عرب جہاں یہ حدود نافذ ہیں، اپنے امن وامان کے لحاظ سے پوری دنیا کے لئے ایک چیلنج کی حیثیت رکھتی ہے جس کی شہادت کئی معزز عدالتی شخصیات بھی دے چکی ہیں، طالبان کے چند سالہ نظامِ حکومت سے کئی اختلاف کئے جاسکتے ہیں لیکن اُنہوں نے بھی اس عرصہ میں جس طرح امن وامان قائم کیا، وہ اپنی مثال آپ ہے۔ دوسری طرف مجموعہ تعزیراتِ پاکستان جس قانونی ماڈل کا نمائندہ ہے، اس کے شاہکار مجموعہ ہائے قوانین آج بھی امریکہ ویورپ میں امن وسکون قائم نہیں کرسکے۔ امریکہ میں امن وامان کی صورتحال کے لئے کسی ایک سال کے جرائم کی رپورٹ پر ایک مختصر نظر ڈال لینا ہی کافی ہوگا۔ دراصل حدود قوانین کے بارے میں اصل مسئلہ ترمیم اور اصلاح کا نہیں بلکہ ان اعتراضات کے بہانے الٰہی احکام کی بجائے انسانی قانون کو رواج دینے کی ایک کوشش ہے۔

حضرت انسان کی نظر میں بعض چیزیں جرم نہیں ہونی چاہئیں جبکہ خالق انسان کی نظر میں وہ سنگین ترین جرم ہیں۔ ان ترامیم پر معمولی غور کے بعد بآسانی یہ پتہ لگایا جاسکتا ہے کہ ان کا رخ کس طرف ہے؟ تعمیر کے نام پر تخریب اور اصلاح کے نام پر معاشرے کو بے خدا بنانے کی یہ کوششیں اہل ایمان سے مخفی نہیں رہ سکتیں۔ اگر ان قوانین میں اصلاح کی کوئی ضرورت ہے تو اس کے لئے مناسب پلیٹ فارم ٹی وی چینل اور اخبارات نہیں بلکہ اہل علم اور ماہرین قانون وشریعت کی مجالس ہیں۔ اور یہی بات سپریم کورٹ کے سابق چیف جسٹس نے کہی ہے :

> ''کراچی، جسٹس سعید الزماں صدیقی نے کہا ہے کہ حکومت حدود قوانین کے لئے وفاقی شرعی عدالت سے رجوع کرے۔ دستورِ پاکستان میں موجود اسلامی حدود کے قوانین میں کوئی سقم نہیں ہے۔ حدود اللہ کے قوانین ختم کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا مگر ان کے نفاذ میں دشواریاں یا شکایات دور کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ ان خیالات کا اظہار اُنہوں نے جمعہ کے روز ویمن کمیشن سندھ کے تحت سیمینار 'حدود آرڈیننس: اعتراضات اور حقائق' سے خطاب کرتے ہوئے کیا۔'' (روزنامہ 'جنگ' کراچی: ۵/اگست ۲۰۰۶)

(حافظ حسن مدنی)

www.KitaboSunnat.com